لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اردو)

5 JAN 1947

(یعنی)

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۶ | ماہ صفر ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۴۷ء | عدد ۱

فہرست مضامین!

یورپ میں تبلیغ اسلام	صـ۲	جناب مولنا جلال الدین صاحب شمس سابق امام مسجد لندن
عربی ممالک میں تبلیغ	صـ۳۷	جناب سید منیر الحصنی صاحب امیر جماعت احمدیہ دمشق
سماٹرا میں احمدیت	صـ۵۵	جناب مولنا محمد صادق صاحب فاضل مبلغ سماٹرا

یورپ میں تبلیغ اسلام

(از جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس سابق امام مسجد لنڈن)

گزشتہ عیسوی صدی کا آخری نصف مسلمانان ہندوستان کے لئے نہایت تاریک و تار تھا۔ سیاسی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ حکومت غیروں کے ہاتھ میں چلی گئی تھی۔ اور اس کیساتھ ہی کئی نئی مذہبی تحریکیں زوروں پر تھیں جن کا مقصد اعظم اسلام کو نیچا دکھانا تھا۔ ایک طرف آریہ سماجی قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر بے دھڑک اعتراضات کر رہے تھے۔ دوسری طرف برہمو سماج کا زور ہو رہا تھا۔ تیسری طرف عیسائیوں نے جا بجا تبلیغی مشن قائم کر رکھے تھے۔ اور اُن کے مناد شہروں، قصبوں اور دیہات کے گلی کوچوں میں گشت لگا رہے تھے اور عیسائیت کی تبلیغ پورے زور سے کر رہے تھے۔ اُن کی تمام تگ و دو بھی اسلام کو مٹانے کے لئے تھی۔ غرضیکہ اس دَور میں ہر تیر انداز کا نشانہ اسلام کا سینہ تھا۔ ہر طرف سے اس پر بارش کی طرح تیر پڑ رہے تھے لیکن مسلمانوں کی حالت اس درجہ ناگفتہ بہ تھی کہ وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے کہ فرزندانِ اسلام کو مرتد بنایا جا رہا ہے، اور ہر روز اُن کے اعضاء کو کاٹ کاٹ کر اُن سے علیحدہ کیا جا رہا ہے، لیکن وہ بے بسی کی حالت میں کچھ نہ کر سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر ہزاروں اعتراضات اور طعن و تشنیع سُن کر وہ دل مسوس کر رہ جاتے تھے، مگر کچھ کرنے کی ہمت نہ پاتے تھے۔ اکثر تو اس صورتِ حال سے لاپرواہ تھے، مگر جو تھوڑا بہت دردِ اسلام کے لئے رکھتے تھے، وہ بھی مخالفینِ اسلام کا کما حقہٗ مقابلہ کرنے کے اہل نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیت کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی، اور

مولانا جلال الدین صاحب شمس
سابق امام مسجد لنڈن، جو دس سال انگلستان میں
فرائض تبلیغ اسلام ادا کر کے واپس تشریف لائے ہیں

لاکھوں انسان اس کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ حتیٰ کہ ایک گروہ مسلمان علماء کا بھی پادریوں کے جال میں آگیا۔ جنہوں نے اسلام کے خلاف ایسا زہریلا لٹریچر تیار کیا جس کی نظیر پہلے زمانوں میں تلاش کرنا بے سُود ہے۔ مسلمان عیسائیت سے اس قدر مرعوب ہو گئے تھے کہ ان کے لیڈر بھی یہ خیال کرنے لگے تھے کہ ہمارے اسلام کے دن گذر گئے۔ اور اب اس کا دوبارہ پنپنا محال ہے۔

اس زمانہ کی حالت کا نقشہ اس شخص نے جس کا دل اسلام کے ان مصائب کو دیکھ کر خون ہو رہا تھا یوں کھینچا ہے ؎

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید ٭ دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدیں
مردمِ ذی مقدرت مشغولِ عشرت ہائے خویش ٭ خرم و خنداں نشستہ با بتانِ نازنیں

یعنی کفر یزید کی فوجوں کی مانند ہر طرف جوش و خروش میں ہے۔ اور دین زین العابدین کی طرح بیمار و بیکس پڑا ہے۔

وہ مسلمان جنہیں خدا تعالیٰ نے ظاہری مقدرت بخشی ہے وہ اپنے عیش و عشرت میں مشغول ہیں اور اپنی خوبصورت عورتوں اور بچوں کے ساتھ اپنے گھروں میں خوش و خرم بیٹھے ہیں۔ اور دین جو مصائب میں گھرا ہوا ہے۔ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

پھر ان علماء کے متعلق جن کا کام دین کی حفاظت اور لوگوں کو دین کی تلقین کرنا ہوتی ہے فرماتے ہیں ؎

عالماں را روز و شب باہم فساد از جوشِ نفس ٭ زاہداں غافل سراسر از ضرورتہائے دیں
ہر کسے از بہرِ نفسِ دونِ خود طرفے گرفت ٭ طرفِ دیں خالی شد و ہر دشمنے جست از کمیں
ایں دو فکرِ دینِ احمد مغزِ جانِ ما گداخت ٭ کثرتِ اعدائے ملت قلتِ انصارِ دیں
اے خدا زود آ و برما آبِ نصرت ہا ببار ٭ یا مرا بردار یا رب زیں مقامِ آتشیں

یعنی علماء بجائے دشمنِ اسلام کا مقابلہ کرنے کے نفسانی جوش سے دن رات آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو زاہد کہلانے والے ہیں وہ دین کی ضروریات سے بالکل غافل و

لاپرواہ ہیں۔ انہیں یہ علم ہی نہیں کہ اس وقت اسلام کی حفاظت کے لئے کن چیزوں کی ضرورت ہے۔ وہ اپنے گھروں یا خانقاہوں میں گوشہ نشین ہیں اور اسلام کو نرغۂ اعداء سے بچانے کیلئے جن تدابیر کو اختیار کرنیکی ضرورت ہے اُن سے وہ قطعاً نابلد ہیں۔

غرضیکہ ہر شخص اپنے نفسِ دُوں کی خاطر اور اس کی حمایت میں لگا ہوا ہے۔ اور دین کی طرف بالکل خالی پڑی ہے۔ اور ہر دشمن گھات سے نکل کر اس پر حملہ آور ہے۔

دینِ احمدؐ کے متعلق اِن دو فکروں نے میری جان کے مغز کو پگھلا دیا ہے۔ کہ دین کے دشمن تو بہت ہیں لیکن انصار بہت ہی کم ہیں۔

اے خدا تُو ہماری نصرت کو جلد آ اور اپنی رحمتوں کی بارش برسا۔ ورنہ اے میرے رب تُو مجھے اِس آتشیں مقام سے اُٹھا لے۔

اللہ تعالےٰ نے اِس دردمند دل کی دُعاؤں کو سُنا اور اُسے کہا کہ ہم نے تیری تضرعات کو سُنا اور اس درد کو دیکھا جو تیرے دل کی گہرائیوں میں اسلام کے لئے پایا جاتا ہے۔ سو ہم تجھے اِس زمانہ کے لئے نشان بنانا چاہتے ہیں۔ تُو خدمتِ اسلام پر کمربستہ ہو جا اور اس کی ڈوبتی ناؤ کا ہمارے حکم سے ناخدا بن۔ ہم تجھے رُوحانی بیماروں کا مسیحا بناتے ہیں اور گمرہوں کا مہدی۔ ہم تیری ہر رنگ میں مدد کریں گے۔ اور تُو دیکھیگا کہ آخرکار اسلام کی یہ ڈگمگاتی ناؤ مصائب کے بھنور سے نکل کر کنارے پر جا لگیگی۔ آپؑ نے خدا تعالےٰ سے یہ حکم پاکر اسلام کی خدمت کے لئے کمر کس لی۔ اور اعدائِ اسلام کے مقابلہ میں ایک بہادر جرنیل کی طرح کھڑے ہو گئے۔ اور اس ہمت اور جرأت، شجاعت اور استقامت سے دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کیا کہ اُن کے چھکے چھوٹ گئے، اور وہ میدان سے بھاگ نکلے۔ آپؑ ایک فاتح کی حیثیت سے فرماتے ہیں ؎

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہرچند ٭ ہر مخالف کو مقابل پہ بُلایا ہم نے

نیز فرماتے ہیں:۔

"کیا روئے زمین میں مشرق سے لے کر مغرب کی انتہا، تک کوئی پادری ہے جو خدائی نشان میرے مقابل پر دکھلا سکے۔ ہم نے میدان فتح کر لیا ہے کسی کی مجال نہیں جو ہمارے مقابل پر آوے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۵)

وہی عیسائی جو پہلے اسلام کو اپنا شکار سمجھے بیٹھے تھے ایسے خوفزدہ ہوئے کہ انہیں خفیہ طور پر اپنے مشنوں کو یہ ہدایات جاری کرنی پڑیں کہ احمدیوں سے مباحثات نہ کئے جائیں۔

اُس زمانہ کے وہ مسلمان اہلِ قلم جنہوں نے اسلام کی تائید میں قلم اُٹھایا، اُن کا رویہ بھی جارحانہ اور تحدیانہ نہ تھا۔ بلکہ اِس قسم کا تھا جیسے کوئی کمزور کسی طاقتور کے سامنے اپنی صفائی کے لئے عذر پیش کرتا ہے۔ پھر سر سید احمد صاحب، مولوی چراغ علی صاحب اور سید امیر علی صاحب وغیرہ اہلِ قلم نے فلسفۂ مغرب سے متاثر ہو کر اسلام کے بعض مسائل کو ایسے رنگ میں پیش کیا، جو قرآنی تعلیم کے صریح مخالف تھا۔ مثلاً سر سید مرحوم نے لکھا، کہ فرشتے کوئی علیحدہ ہستیاں نہیں، اور یہ کہ انبیاء پر کلامِ الٰہی لفظوں میں نازل نہیں ہوتا تھا۔ اور یورپ میں تبلیغ اسلام کا خیال تو اُن کے دل و دماغ سے کوسوں دُور تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانیٔ جماعت احمدیہ نے حقیقی اسلام کو جسے محمد صلے اللہ علیہ وسلم لائے تھے، نہایت نڈر ہو کر دُنیا کے سامنے پیش کیا، اور اس کی صداقت کو الم نشرح کیا۔ اور یورپ میں تبلیغِ اسلام کے لئے داغ بیل ڈال دی۔

یورپ میں تبلیغِ اسلام کی ابتداء

حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے اپنی زندگی میں لکھو کھا پمفلٹ یورپ اور امریکہ میں بھجوائے۔ اور ان ملکوں میں آپ کے دعویٰ کے متعلق مضامین بھی شائع ہوئے۔ ایک دفعہ آپ کی زندگی میں ایک انگریز مسٹر ڈکنسن نامی قادیان آئے اور آپ سے گفتگو کی۔ جب وہ واپس جانے لگے، تو حضور اقدس بھی انہیں رخصت کرنے کے لئے ساتھ چل پڑے، اور مترجم کے ذریعہ اپنے دعویٰ اور اسلام کے متعلق گفتگو فرماتے گئے، یہاں تک کہ نہر کا پُل آگیا، جو قادیان سے

تقریباً اڑھائی تین میل کے فاصلہ پر رہے۔ وہ انگریز آپؑ کی اِس ہمت اور صدق و استقامت اور جوشِ تبلیغ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ یہ صرف ایک ہی موقعہ نہ تھا، بلکہ اور بھی کئی مواقع پر حضورؑ کی خدمت میں یورو پین لوگ آتے رہے اور آپؑ اسلام کی پاکیزہ تعلیم اُن کے سامنے پیش کرتے رہے۔

ملکہ وکٹوریہ کو براہِ راست ایک خط کے ذریعہ دعوتِ اسلام دینے کے علاوہ آپؑ نے یورپ اور امریکہ میں تبلیغِ اسلام کی غرض سے ۱۹۰۲ء میں ماہوار انگریزی رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" جاری کیا۔ مزید برآں آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنی پیشگوئیوں کے ذریعہ تبلیغِ اسلام کے ایک تاریک و تار مستقبل کو ایک روشن مستقبل میں تبدیل کر دیا۔ آپؑ نے فرمایا:۔

"طلوعِ شمس کا جو مغرب کی طرف سے ہوگا، ہم اس پر بہرحال ایمان لاتے ہیں لیکن اِس عاجز پر جو ایک رؤیا میں ظاہر کیا گیا، وہ یہ ہے کہ مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنے رکھتا ہے، کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفر و ضلالت میں ہیں، آفتابِ صداقت سے منوّر کئے جائیں گے، اور اُن کو اسلام سے حصّہ ملے گا۔" (ازالہ اوہام ص۵۱۵)

پھر اپنے ایک رؤیا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"مَیں نے دیکھا کہ مَیں شہر لنڈن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں۔ اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلّل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے مَیں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اُن کے رنگ سفید تھے۔ اور شاید تیتر کے جسم کے موافق اُن کا جسم ہوگا۔
سو مَیں نے اِس کی یہ تعبیر کی، کہ اگرچہ مَیں نہیں، مگر میری تحریریں اُن لوگوں میں پھیلیں گی، اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے۔" (ازالہ اوہام ص۵۱۶)

نیز آپ نے فرمایا:۔

"وہ دن نزدیک آتے ہیں، کہ سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھیگا، اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگیگا" (تذکرہ ۲۸۵)

اسی طرح جب حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے حضرت اقدس علیہ السلام کو لندن کے جھوٹے مسیح پگٹ کے دو نوٹس (جو اس نے مفتی صاحب موصوف کو ان کے خط کے جواب میں بھیجے تھے) پڑھ کر سنائے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

"معقول باتوں کی قدر ہوتی ہے، اور وہ رہ جاتی ہیں لیکن جاہلانہ باتوں کی رونق دو تین سطروں میں جاتی رہتی ہے۔ جھوٹے نبیوں اور مسیحوں کا قدم پہلے لندن میں رکھا گیا اور سچے مسیح کی آواز اس کے بعد لندن میں پہنچیگی" (الحکم ۷ ، نومبر ۱۹۰۲ء)

لندن میں تبلیغی مشن کا قیام

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے، کہ آپ کا دل اس یقین سے پُر تھا کہ آخر اسلام کی فتح ہوگی، اور عیسائیت مغلوب ہوگی۔ آپ کو یورپ میں تبلیغی مشن کھولنے کا بہت شوق تھا۔ اور اس امر کا آپ نے ایک دفعہ ارادہ بھی ظاہر فرمایا۔ چنانچہ میاں سر فضل حسین مرحوم جب ۱۹۲۷ء میں لندن گئے ، اور جماعت احمدیہ لندن نے ۲۴ر اگست ۱۹۲۷ء کو ان کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا ، تو آپ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

"مغرب میں تبلیغ اسلام کا خیال بانی جماعت احمدیہ کا پیدا کردہ ہے۔ تیس سال کا عرصہ ہوا جب آپ نے خواجہ کمال الدین صاحب سے بالواسطہ دریافت فرمایا کہ کیا وہ یورپ میں تبلیغ اسلام کے لئے جا سکتے ہیں؟ لیکن انہوں نے قانونی پریکٹس شروع کردی۔ اور اس وقت اسلام کی اشاعت کے لئے اپنے کو وقف نہ کر سکے"

(انگریزی "ریویو آف ریلیجنز" ماہ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

لیکن یہی شخص جو اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش کو پورا نہ کر سکا ، آخر کار

حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مقدمہ کے سلسلہ میں لندن گیا، اور پھر تبلیغ اسلام کے لئے وہیں رہ پڑا۔ اور تبلیغ کا کام شروع کیا لیکن تھوڑی مدت کے بعد اس خیال سے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کو پیش کیا گیا تو دوسرے مسلمانوں کی امداد سے محروم ہو جائیگا اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کو پیش کرنا چھوڑ دیا، جنہیں خدا تعالےٰ نے اس زمانہ میں اشاعت اسلام کے لئے بھیجا تھا، اور اس کے اور اس کے متبعین سے احیاءِ اسلام کو وابستہ کر دیا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں جب حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ وفات پا گئے اور جماعت نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو خلیفہ منتخب کر لیا، تو خواجہ کمال الدین صاحب غیر مبایعین کے ساتھ مل گئے اسلئے جماعت احمدیہ قادیان نے اپنا مشن اُن سے علیحدہ کر لیا۔

ایک نیا دور

۱۹۲۴ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ایک مذہبی کانفرنس میں شمولیت کے لئے لندن تشریف لے گئے وہاں آپ نے اسلام کی خوبیوں پر ایک لیکچر دیا، جو بعد میں کتابی شکل میں زیر عنوان "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" اُردو زبان میں اور زیر عنوان Ahmadiyyat or The true Islam انگریزی زبان میں شائع ہوُا۔ اس کتاب میں آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق اسلامی تعلیم کو نہایت احسن اور دلکش پیرایہ میں بیان کیا ہے جس سے انگریزوں کا پڑھا لکھا طبقہ بے حد متاثر ہوُا، اور انہیں اسلام کے متعلق مزید تحقیق کا شوق پیدا ہوُا۔

اثناءِ قیام لندن میں حضور نے احمدیہ مسجد فضل لندن کا سنگِ بنیاد رکھا۔ لندن پریس نے آپ کے قیامِ لندن اور مسجد کے سنگِ بنیاد رکھنے کی تقریب سے بہت دلچسپی کا اظہار کیا اور سلسلہ کے متعلق متعدد مضامین شائع کئے۔ یہ مسجد ۱۹۲۶ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اور اس کا افتتاح اکتوبر ۱۹۲۶ء میں ہوُا۔ لندن جیسے شہر میں جو عیسائیت کا مرکز ہے احمدیہ مسجد کا بننا کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے عیسائیوں کے قلوب میں بے چینی پیدا نہ ہوتی۔ چنانچہ

دی پیٹیسٹ ٹائمز نے مسجد کے افتتاح پر لکھا:-

"The coming of the mosque may be regarded as a challenge. The west has been trying to convert the East and unhappily has not maintained its strength at home. Now the East is looking to the West and the muslims' call to prayer will be heard in this land."

یعنی اس مسجد کی عمارت کو ہمیں ایک چیلنج سمجھنا چاہیئے۔ مغرب مشرق کو عیسائی بنانے کی کوشش کرتا رہا ہے لیکن بدقسمتی سے خود اپنے گھر میں اپنی طاقت کو قائم نہیں رکھ سکا۔ اب مشرق مغرب کی طرف توجہ کر رہا ہے اور نماز کے لئے مسلمانوں کی اذان یہاں سُنائی دیگی۔ مسجد کا لنڈن کے قلب میں دکھائی دینا پادریوں کے لئے ایک پریشان کُن چیز تھی۔ بہرحال اس وقت سے تبلیغی کام پہلے سے زیادہ مؤثر رنگ میں شروع ہوا۔

۱۹۳۶ء میں مجھے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے لنڈن بھیجا۔ پہلے دو سال میں وہاں بطور نائب امام مسجد لنڈن کام کرتا رہا۔ ۱۹۳۸ء میں میں نے مشن اور مسجد کا چارج لیا، اور اگست ۱۹۴۶ء تک بطور امام مسجد کام کرتا رہا۔ اب میں مختصر طور پر لندن مشن کے طریقِ کار کے متعلق لکھتا ہوں۔

ہمارے وسائلِ تبلیغ

اِس مشن کا مقصدِ اعظم مخالفینِ اسلام کے اعتراضات و شبہات کا ازالہ اور اسلام کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کرنا ہے۔ اِس غرض کے لئے ہر ممکن ذریعہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اور ان ذرائع کو دو بڑے عنوانوں کے ماتحت لایا جا سکتا ہے، یعنی ایک تقریری اور دوسرا تحریری۔

دار التبلیغ میں لیکچر نومسلموں کے معلومات میں اضافہ اور غیر مسلموں کو تبلیغ کرنے کے لئے دار التبلیغ لنڈن میں حسبِ حالات ہفتہ واری یا پندرہ روزہ جلسے کئے جاتے ہیں جن میں عام طور پر اسلامی مسائل پر لیکچر دیئے جاتے ہیں۔ "اسلام کے تمدنی قوانین"۔ "سوانحِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی تعلیم"۔ "اسلام اور سائنس"۔ "ملائکہ کی ہستی کا ثبوت"۔ "اسلام اور عیسائیت" اور "کامل الہامی کتاب" وغیرہ موضوعوں پر لیکچر ہوتے ہیں۔ لیکچروں کے اختتام پر سوالات کا موقع دیا جاتا ہے۔ بعض وقت سیرۃ النبیؐ کا جلسہ کیا جاتا ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور یورپین مؤلفین کی بعض نکتہ چینیوں کا جواب دیا جاتا ہے۔ اِس تقریب پر پادریوں سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح پر تقریریں کرائی جاتی ہیں۔

کانفرنسیں بعض اوقات دار التبلیغ میں مذہبی کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں مثلاً ۱۹۳۹ء میں ایک مذہبی کانفرنس بلائی گئی جس میں تقریباً دو سو انگریز مرد و عورتیں شامل ہوئے۔ میرے علاوہ ایک پادری اور ایک یہودی عالم نے اپنی اپنی مقدس کتابوں کی رو سے اس موضوع پر لیکچر دیا کہ دنیا میں امن کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ اور لندن پریس نے اس میں خوب دلچسپی لی۔

سکولوں اور کلبوں میں لیکچر کبھی کبھی سکولوں اور کلبوں اور سوسائیٹیوں کی طرف سے اسلام پر لیکچر دینے کے لئے دعوت نامہ موصول ہوتی ہیں تو وہاں اسلامی تعلیم کی خوبیاں بیان کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اور لیکچر کے بعد سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ اور ان کے شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے۔

لندن میں ایک موومنٹ ہے جس کے ماتحت بیسیوں بالغ مرد اور عورتوں کی کلاسز ہیں جن کے لئے خاص نصاب مقرر ہوتا ہے۔ ۱۹۳۹ء میں اُن کے لئے جو کتاب بطور کورس مقرر ہوئی تھی اس میں اسلام پر بھی ایک سبق تھا جس کے متعلق بعض سکولوں کے

منتظمین نے چاہا کہ وہ اسلام کے موضوع پر مجھ سے بھی کچھ سُنیں۔ چنانچہ اس ضمن میں مجھے تیس سے زائد سکولوں میں بولنے کا موقع ملا۔ مثال کے طور پر ماہ فروری ۱۹۳۹ء کا ذکر کرتا ہوں۔ ۵۔ فروری کو ہاکن اکاڈمی اڈلٹ سکول میں لیکچر دیا۔ ۸۔ فروری کو بلومسبری اڈلٹ سکول میں۔ ۹۔ فروری کو [illegible] اڈلٹ سکول میں۔ ۱۴۔ فروری کو ووڈمن اڈلٹ سکول میں ۱۵۔ فروری کو [illegible] اڈلٹ سکول میں۔ ۱۶۔ فروری کو [illegible] اڈلٹ سکول میں۔ ۱۷۔ فروری کو گرین فورڈ اڈلٹ سکول میں۔ ۲۲۔ فروری کو [illegible] اڈلٹ سکول میں اور ۲۳۔ فروری کو پوکنڈر سے ورنھل اڈلٹ سکول میں لیکچر دیئے۔ اسی طرح [illegible] اڈلٹ سکول، فنچلی اڈلٹ سکول، بلوشل اڈلٹ سکول اور دیگر سکولوں میں بھی لیکچر دیئے گئے اور تمام سکولوں کی لائبریریوں کے لئے ایک ایک سیٹ تبلیغی کتب کا دیا گیا۔ ان سکولوں میں اسلام کے متعلق جو سبق درج تھا اس میں اسلام کے متعلق جو غلط بیانیاں کی گئی تھیں وہ ان پر واضح کی گئیں۔ بطور نمونہ میں ایک غلط بیانی کا ذکر کرتا ہوں۔ اس میں لکھا تھا۔

"To say God loves sounds blasphemous to a Muslim" یعنی یہ کہنا کہ خدا محبت کرتا ہے ایک مسلمان کو کفریہ کلمہ سا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کہا، اسلام کے متعلق یورپین مؤلفین جیسی بے ثبوت اور بے بنیاد باتیں لکھتے ہیں یہ اس کا ایک نمونہ ہے۔ جس نے یہ سبق لکھا ہے مجھے یقین ہے کہ اس نے قرآن مجید کو جو اسلام کا اصل الاصول ہے کبھی نہیں پڑھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ؕ	اے رسول! تو لوگوں سے کہہ دے کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیگا جیسا کہ اُس نے مجھ سے محبت کی ہے

پھر فرمایا:۔

فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ	اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائیگا جس سے وہ محبت کریگا

وَيُحِبُّوْنَهٗ	اور وہ اُس سے محبت کریں گے۔

اسی طرح فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ	اللہ تعالےٰ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کے راستے میں دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔

نیز فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ	مومن خدا سے ایسی محبت رکھتے ہیں کہ جس سے زیادہ متصور نہیں۔

پس قرآن مجید میں خدا اور اس کے بندوں کے تعلق کو محبت کا تعلق بتایا گیا ہے۔ جب یہ آیتیں قرآن مجید سے اُنہیں دکھائی جاتیں تو اُن پر مصنف کی جہالت آشکارا ہو جاتی۔

عورت کا اسلام میں درجہ

پھر ایک اور سوال جو ہر جگہ دریافت کیا گیا، وہ یہ تھا کہ کیا یہ درست ہے کہ اسلام کی تعلیم کی رو سے عورتیں جنت میں نہ جائیں گی اور یہ کہ ان میں رُوح نہیں ہے۔ مَیں نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہر میٹنگ میں یہ واضح کیا، کہ جس قدر حقوق اسلام نے عورت کو دیئے ہیں اتنے کسی اور مذہب نے اسے نہیں دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں صدی عیسوی میں جبکہ ہر ملک میں عورت کو ذلیل و حقیر خیال کیا جاتا تھا، یہ آواز بلند کی:۔

اَلنِّسَآءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ	عورتیں مردوں کی ہم پلہ اور ہم جوڑ ہیں۔

اور قرآن مجید میں مَردوں اور عورتوں دونوں کا ذکر پہلو بہ پہلو کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ.... اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا	یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں ...... ان سب کے لئے اللہ تعالےٰ نے مغفرت اور اجر

عَظِيْمًا ۝ (احزاب ع ۵)	عظیم تیار کیا ہے۔

نیز فرمایا:۔

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (المومن)	اور جو شخص نیک کام کرے مرد ہو یا عورت درآنحالیکہ وہ مومن ہے وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ اور اس میں بغیر حساب رزق دیئے جائیں گے۔

نیز فرمایا:۔

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ ۝ (یٰسین)	وہ اور اُن کی بیویاں جنت میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے۔

لیکن برخلاف اس کے نئے عہد نامہ میں یہ لکھا ہے۔ پولوس کہتا ہے:۔

"البتہ مرد کو اپنا سر ڈھانکنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ خدا کی صورت اور اُس کا جلال ہے۔ مگر عورت مرد کا جلال ہے۔ اس لئے کہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے۔ اور مرد عورت کے لئے نہیں بلکہ عورت مرد کے لئے پیدا ہوئی" (اکرنتھیوں 11/7-9)

اِس سے ظاہر ہے کہ عورت کو مرد سے بہت نیچا اور ذلیل سمجھا گیا ہے۔ اور جیسے اور چیزیں مرد کے لئے اِس جہان میں پیدا کی گئی ہیں ویسے ہی عورت بھی اس کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

پھر لکھا ہے:۔

"عورتیں کلیسیا کے مجمع میں خاموش رہیں۔ کیونکہ اُنہیں بولنے کا حکم نہیں، بلکہ تابع رہیں، جیسا توراۃ میں بھی لکھا ہے۔ اور اگر کچھ سیکھنا چاہیں تو گھر میں اپنے اپنے شوہر سے پُوچھیں۔ کیونکہ عورت کا کلیسیا کے مجمع میں بولنا شرم کی بات ہے۔۔ ۔۔۔ یہ جو باتیں میں تمھیں لکھتا ہوں وہ خداوند کے حکم ہیں۔ اور اگر کوئی نہ جانے تو نہ جانے" (اکرنتھیوں 14/34)

لیکن اس کے مقابلے میں اسلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ عورتیں مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کیا کرتیں اور آپ جواب دیتے۔ اور حضورؐ نے اپنی بیوی حضرت عائشہؓ کے متعلق صحابہؓ کو فرمایا، کہ تم نصف دین ان سے سیکھو۔ چنانچہ بڑے بڑے صحابہؓ مشکل اور پیچیدہ مسائل میں آپؓ سے فتویٰ پوچھا کرتے تھے لیکن عیسائیت عورت کو سکھانے کی اجازت دینا تو کجا وہ تو سوال پوچھنے کی بھی اجازت نہیں دیتی۔ مگر باوجود اس کے یورپین مؤلفین کا یہ لکھنا کس قدر ظلم اور خلافِ واقعہ ہے کہ اسلام عورتوں میں نہ روح کا قائل ہے اور نہ اُن کے جنت میں جانے کا۔

اسی طرح میں نے ایکٹن ایلنگ براڈوے روٹری کلب، چیتھم روٹری کلب، کلیپم اور ونڈز ورتھ اور دیگر بہت سے روٹری کلبوں میں اسلام کے موضوع پر لیکچر دیئے۔ ایکٹن روٹری کلب میں جو میں نے اسلام کے موضوع پر مقالہ پڑھا تو کلب کے ایک ممبر نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:۔

"میں مصر اور اس کے ریگستانوں میں بھی رہا۔ سنوسیوں سے بھی ملا لیکن اسلام کی صحیح کُن تعلیم جو میں نے آج سُنی ہے پہلے کبھی اس کے سُننے کا موقع نہیں ہوا۔"

اسی طرح دوسری سوسائٹیوں مثلاً تھیوسوفیکل سوسائٹی، ومیلی انٹرنیشنل فرینڈشپ لیگ، ورلڈ کانگرس آف فیتھس، سوسائٹی فار دی سٹڈی آف ریلیجنز، وغیرہ کی دعوتوں پر لیکچر دیئے جاتے ہیں، جن میں اسلام کی صحیح تعلیم پیش کی جاتی ہے۔

بعض مسلمانوں کی غلطیوں کی اصلاح

بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے مسلم لیکچرار عیسائیوں سے مرعوب ہو کر اسلام کے بعض عقائد کو بگاڑ کر پیش کرتے ہیں، اور ہمیں اُن کے مقابلہ میں آواز اُٹھانی پڑتی ہے اور ہم اسلام کا صحیح نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں۔ اس کے لئے بھی ایک دو مثالوں کا پیش کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

ڈاکٹر ڈڈلی رائٹ کا جو ۱۹۱۳ء میں مسلمان ہوئے تھے، موری کالج میں ایک لیکچر تھا۔ انہوں نے مجھے بھی خط کے ذریعہ لیکچر میں حاضر ہونے کے لئے دعوت دی۔ میں وقت پر پہنچ گیا۔ سوالات کے موقع پر جب اُن سے دریافت کیا گیا۔ کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے سردار Chief of Prophets تھے؟ تو انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ اور کہا کہ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ ہم رسولوں کے درمیان امتیاز نہیں کرتے اور سب کو یکساں سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ایک دو اور سوالوں کے انہوں نے غلط جوابات دیئے۔ میں نے صدر کی اجازت سے مذکورہ بالا سوال کے متعلق کہا۔ کہ ہم مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں کا سردار مانتے ہیں۔ اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پہلے انبیاءؑ خاص قوموں یا خاص ملکوں کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دُنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے انبیاءؑ کو صرف اتنی تعلیم کا حصہ دیا گیا جو اُن کی قوم کی اصلاح کے لئے ضروری تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مکمل قانون دیا گیا، جو دُنیا کی تمام اقوام اور تمام زمانوں کی ہدایت کے لئے کافی ہے۔ اور یہ جو ایک لیڈی نے دریافت کیا ہے، کہ جب حضرت موسیٰؑ صرف بنی اسرائیل کے لئے بھیجے گئے تھے، تو ہم مسلمان انہیں کیوں مانتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے، کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہیں جو تمام اقوام عالم کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اور ایسا نبی جو تمام دُنیا کے لئے مبعوث ہؤا اُس کیلئے ضروری تھا کہ وہ ان مختلف قوموں کے گذشتہ انبیاءؑ کے متعلق بھی فیصلہ کرتا کہ وہ سچے تھے یا نہیں۔ سو خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں اُن کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا۔ کہ وہ خدا کے برگزیدہ نبی تھے، جو خاص خاص قوم یا ملک کے لئے بھیجے گئے۔ حضرت عیسیٰؑ بھی، جیسا کہ انہوں نے خود کہا، صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجے گئے تھے (متی باب ۱۵) اور قرآن مجید نے بھی ان کے متعلق وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (آل عمران) کے الفاظ فرمائے ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ یا حضرت موسیٰؑ یا

اور کوئی نبی تمام دُنیا کے لئے مبعوث ہوتا تو اس کا یہ فرض تھا کہ وہ دوسری اقوام کے نبیوں کے متعلق فیصلہ دیتا کہ وہ سچے نبی تھے یا نہیں۔ لیکن بائیبل میں نہ حضرت موسیٰ نے اور نہ حضرت عیسیٰ نے دوسری قوموں کے انبیاء کے متعلق کوئی فیصلہ دیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام قوموں کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ لہٰذا آپؐ نے دوسری قوموں کے انبیاء کی صداقت کا اعلان کیا۔ اس لئے ہم پر یہ ضروری ہُوا کہ ہم خدا تعالےٰ کے تمام نبیوں پر ایمان لائیں۔ پھر مَیں نے اس آیت کو جو ڈاکٹر ڈڈلی نے پیش کی تھی پڑھ کر اس کا ترجمہ کیا، اور بتایا کہ اس آیت میں رسولوں کے درمیان تفریق نہ کرنے سے مراد ایمان لانے میں تفریق ہے کہ بعض کو مانا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے، نہ کہ درجات اور رُتبہ کے لحاظ سے۔

ڈاکٹر ڈڈلی نے بعد میں مجھے لکھا کہ مورلی کالج کے پرنسپل نے انہیں لکھا ہے:۔

"To convey to you the thanks of the College for your valuable contribution to last Tuesday's discussion"

یعنی گذشتہ منگل کی مجلس میں آپ نے حصہ لیکر جو مفید اور قیمتی معلومات بہم پہنچائیں اس پر مَیں کالج کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

یہ درحقیقت خواجہ صاحب کی تعلیم تھی جنہوں نے مالی نقصان سے ڈرتے ہوئے احمدیت کے ذکر کو یورپ میں اشاعتِ اسلام کے لئے مضر قرار دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے خود اپنی ایک رپورٹ میں لکھا ہے جو اخبار بدر میں شائع شدہ ہے۔ کہ جب انہیں ایک عیسائی نے لکھا کہ "ہم تو سب مسیح کی یکتائی سے الگ ہوکر اُسے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے برابر سمجھتے ہیں۔ اور اُسے ہی ایک الہامِ الٰہی کا مورد نہیں مانتے بلکہ دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں۔ اور ہر جگہ سے تعلیم لینے کے لئے تیار ہیں۔ پھر تم کیوں اپنے کام میں یہ کہکر روڑا

اٹھاتے ہوا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مسیح سے افضل تھے۔ اس وعظ کو چھوڑ و۔ اور میدان بہت صاف ہے، کامیابی مشکل نہیں "تو آپ نے اُسے یہ جواب دیا" بہرحال بجواب میں سلا نفرق بین احد من رسلہ لکھدیا ہے"

اسی طرح ورلڈ کانگرس آف فیتھس میں ایک دفعہ مسلم مشیر وزیر ہند نے اسلام کے موضوع پر تقریر کی۔ اور آیت وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا، کہ گو حضرت عیسیٰؑ وغیرہ نے معجزات دکھائے لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ صرف قرآن مجید تھا۔ نیز آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا الخ سے یہ استدلال کیا کہ اسلام تنگدل مذہب نہیں ہے۔ وہ نجات کے حصول کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری قرار نہیں دیتا۔ عیسائی یہودی وغیرہ بھی اگر خدا اور آخرت پر ایمان رکھیں اور نیک اعمال بجا لائیں تو نجات پا سکتے ہیں۔

مَیں نے لیکچر کے اختتام پر کہا کہ معزز لیکچرار کی بیان کردہ یہ باتیں قرآن مجید کے صریح منافی ہیں۔ قرآن مجید کی دوسری آیات میں دوسرے نشانات اور معجزات کا بیان ہوا ہے چنانچہ معجزہ شق القمر کا ذکر سورۃ القمر میں موجود ہے مَیں نے آیت پڑھ کر سُنائی۔ اسی طرح بدر کے موقعہ پر جو دو گروہ لڑے خدا تعالےٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا کہ اس میں بھی تمہارے لئے ایک نشان تھا۔ اور جس آیت کی طرف معزز سپیکر نے اشارہ کیا ہے اس میں الاٰیٰت سے مراد وہ خاص نشانات ہیں، جن کا کفار مطالبہ کرتے تھے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے ہمیں یہ مخصوص آیات دکھانے سے صرف یہ بات مانع ہوئی ہے کہ پہلوں کے مطالبہ پر جب نشانات دکھائے گئے، تو انہوں نے تکذیب کر دی، جس کی وجہ سے وہ ہلاک کئے گئے۔ اسی طرح اگر ان کفار کو بھی ان کے مطلوبہ معجزات دکھائے جائیں تو موجودہ حالت میں یہ بھی تکذیب پر مُصر رہیں گے۔ نتیجہ ان کی ہلاکت و تباہی ہوگی۔ لیکن چونکہ خدا تعالےٰ کے علم میں تھا، کہ اکثر ان میں سے آخر کار اسلام لے آئیں گے، اسلئے انہیں

ہلاکت سے بچانے کے لئے وہ معہودہ نشانات خدا نے نہ دکھائے۔

دوسرے امر کے بارے میں میں نے کہا کہ قرآن مجید کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر کوئی نجات نہیں پا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ... اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا (النساء) یعنی وہ لوگ جو خدا اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں، اور وہ جو خدا اور اس کے رسولوں میں تفریق کرتے ہیں، اور وہ جو بعض کو مانتے اور بعض کا انکار کرتے ہیں، اور وہ جو اس کے درمیان راستہ اختیار کرتے ہیں، یہ سب پکے کافر ہیں۔ اس آیت کی موجودگی میں یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر نجات مل سکتی ہے۔ نجات کے حصول کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ایسے ہی ضروری ہے جیسے کہ حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاءؑ پر۔ اور آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا کا وہ مطلب ہرگز نہیں جو سپیکر نے لیا ہے۔ ایسا مطلب لینا قرآن مجید کی دوسری آیات کے صریح منافی ہے۔

پارکوں میں لیکچر لنڈن میں ایسے پارک بھی ہیں، جنمیں ہر مذہب وملت کے لوگ آزادی سے لیکچر دے سکتے ہیں، اور لیکچراروں پر سوالات کر سکتے ہیں ان پارکوں میں سے اس وقت میں صرف ہائیڈ پارک کا ذکر کروں گا۔ ہائیڈ پارک لنڈن کے پارکوں میں سے سب سے بڑا پارک ہے۔ یہ قلب لنڈن میں واقع ہے۔ اس کا ایک حصہ لیکچروں کیلئے مخصوص ہے۔ جہاں مذہبی اور سیاسی لیکچروں کی آزادی ہے۔ بیسیوں پلیٹ فارم ہوتے ہیں۔ اور ایک ہی وقت میں اپنے اپنے پلیٹ فارم سے مختلف مذاہب اور خیالات کے نمائندے لیکچر دیتے ہیں۔

ہم نے بھی ایک پلیٹ فارم کا انتظام کیا ہوا ہے جہاں ہمارے مبلغین لیکچر دیتے ہیں۔ اسلام کے متعلق حاضرین کے سوالات کے جوابات بھی دیئے جاتے ہیں۔ چونکہ سوال کرنیوالے مختلف مذاق کے ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر ایک مذہب کے متعلق سوال کرتا ہے، تو دوسرا

روس کی پالیسی کی نسبت اور تیسرا ہندوستان کے پالیٹکس کے بارے میں سوال کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لئے ہم نے ایک پادری سے یہ کہا کہ اگر وہ ہم سے مباحثہ کے لئے تیار ہو تو فریقین، دو گھنٹے تک۔ دس دس منٹ کی تقریریں کیا کریں اور موضوع بحث معین ہو۔ دو گھنٹے کے بعد سامعین کو سوالات کرنے کا موقع دیا جایا کرے۔ وہ پادری اس کے لئے راضی ہو گیا۔ اور تقریبًا ایک سال تک۔ ہر جمعہ کے روز مباحثہ ہوتا رہا۔ مگر اسکے بعد پادری نے عاجز آکر مباحثہ کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ مباحثات پبلک کے لئے دلچسپی کا باعث ہوئے، اور وہ دلچسپی سے انہیں سنا کئے۔ ان مباحثات کے متعلق سوسائٹی فار دی سٹڈی آف ریلیجنز کے رسالہ "ریلیجنز" بابت ماہ مئی ۱۹۳۴ء میں ایک پادری نے میری کتاب "اسلام" پر ریویو کرتے ہوئے ان مباحثات کے متعلق لکھا:۔

"The Imam of the London Mosque has come in to arena of open debate and is very energetic in presenting his faith to Christian" [illegible]

یعنی امام مسجد لنڈن پبلک مباحثات کے میدان میں نکلے ہیں اور اپنے عیسائی مدمقابل کے سامنے پُرزور رنگ میں اپنے مذہب کو پیش کرتے ہیں۔

مناظر پادری ایک رسالہ بھی نکالتا ہے جس کا نام "دی کنگڈم نیوز" ہے۔ ماہ جون ۱۹۳۴ء کے نمبر میں انہوں نے ہائڈ پارک کے مباحثات کا ذکر ان الفاظ میں کیا:۔

"ایڈیٹر ان ایام میں ہر جمعہ کے روز چھ بجے شام سے ہائڈ پارک میں امام مسجد لنڈن سے پبلک مباحثہ کرتا ہے۔ جو اس ملک میں ایک چھوٹے سے گروہ کا نمائندہ ہے۔ لیکن جو تعلیم یافتہ، مہذب اور با اخلاق ہونے کے لحاظ سے اسلام کا بہترین فرقہ ہے۔ .... مختلف طبقات کے لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ جن کی تعداد پانچسو کے لگ بھگ

ہوتی ہے۔ اور اڑھائی گھنٹے تک مسلسل سُنتے ہیں۔ یہ ایک ایسی کامیابی ہے جو ہائڈپارک میں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہے۔"

انجیل و قرآن مجید کی تعلیم کا مقابلہ

ہائڈپارک کے مباحثات اور لیکچروں میں سے مَیں ایک دو باتیں بطور مثال پیش کرتا ہوں۔ مَیں نے سب پادریوں کو چیلنج دے رکھا تھا کہ کوئی اُن میں سے بائبل کی ایسی تعلیم پیش کرے جو اس کے نزدیک سب سے اعلیٰ ہو، مَیں اس سے بہتر قرآن مجید سے پیش کروں گا۔ ایک روز ایک عیسائی نے مجھے مخاطب کر کے نہایت وثوق اور یقین سے کہا کہ جو مسیح نے پہاڑی وعظ میں جو تعلیم دی ہے وہ سب تعلیموں سے اچھی اور اعلیٰ ہے۔ مَیں نے اس معترض کو وہی جواب دیا جو مَیں نے مناظرہ میں ایک پادری کو دیا تھا۔ یعنی یہ کہ قرآن مجید کی تعلیم اس پہاڑی وعظ سے بہت زیادہ اچھی اور مکمل ہے۔ آپ پہاڑی وعظ میں سے کوئی تعلیم پیش کریں، مَیں اس سے بہت اعلیٰ تعلیم قرآن مجید سے پیش کروں گا۔ اِس پر اُس نے کہا کہ مسیحؑ نے یہ تعلیم دی ہے:-

"اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کر اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا۔ لیکن مَیں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر بغیر سبب کے غصّے ہوگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا۔"

مَیں نے جواب دیا۔ بیشک یہ اچھی تعلیم ہے۔ مگر پہلے بھی کسی نبی نے یہ تعلیم نہ دی تھی کہ اپنے بھائی پر بے سبب غصّے ہونا جائز ہے۔ کیونکہ انسانیت کا تقاضا ہے کہ کوئی انسان بلاوجہ کسی پر ناراض نہ ہو۔ بلکہ امثال ۳ میں یہی لکھا ہے کہ "کسی انسان سے بے سبب جھگڑا مت کر جس حال میں کہ اس نے تجھ سے کچھ بدی نہیں کی۔" حقیقت یہ ہے کہ صرف اتنی سی بات کسی انسان کو تعریف کا مستحق نہیں بنا سکتی۔

آیئے! قرآن مجید کی تعلیم کو دیکھیں۔ اس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، کہ جنّت جو خدا تعالیٰ

کی رضا کا مقام ہے، وہ اُن لوگوں کے لئے ہے، جو متقی ہیں۔ اور اُن کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے، وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ یعنی وہ باوجود غصہ دلانیوالے اسباب کی موجودگی کے اپنے غصے کو روک لیتے ہیں، اور ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ پھر فرمایا کہ یہ آخری درجہ نہیں، بلکہ اِس سے اُوپر ایک اور درجہ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ کا ہے یعنی نہ صرف یہ کہ وہ ناراضگی کا اظہار نہیں کرتے، بلکہ لوگوں کو معاف کرنے والے بھی ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص غصہ دلانیوالی بات کا مرتکب ہو، اور دوسرا شخص غصے کا اظہار نہ کرے، لیکن دل میں ناراضگی محسوس کرے، یا کم از کم غصہ دلانیوالے کو یہ خیال رہے کہ وہ اپنے دل میں ضرور ناراض ہوگا۔ سو قرآن مجید نے متقیوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے، کہ وہ معاف کرکے اس کا کلیتہً ازالہ کر دیتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اس سے اُوپر ایک اور درجہ بھی ہے، اور وہ احسان کا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ کہ وہ نہ صرف معاف کرتے ہیں، بلکہ اس وقت، وہ احسان کے طور پر بلا طلبِ معاوضہ کوئی چیز بھی دیدیتے ہیں۔ اور جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ اس وقت خدا کا محبوب بن جاتا ہے، جو روحانی منازل کا اعلیٰ مقام ہے۔ یہ ایسی کامل تعلیم ہے، کہ اس سے اُوپر اور کوئی مرتبہ تجویز نہیں کیا جا سکتا۔

دشمن سے محبت رکھنا

اسی طرح جب پہاڑی وعظ پر بحث ہو رہی تھی، تو میرے مدِمقابل پادری نے اِس وعظ میں سے صرف ایک تعلیم انتخاب کی، اور کہا کہ یہ تعلیم ایسی اعلیٰ ہے جو اور کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اور وہ یہ ہے کہ یسوع نے کہا:

"تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا تھا، اپنے پڑوسی سے محبت رکھ، اور اپنے دشمن سے عداوت لیکن مَیں تم سے یہ کہتا ہوں، کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانیوالوں کے لئے دُعا مانگو" (متی ۵ / ۴۳-۴۴)

مَیں نے اِس تعلیم پر مندرجہ ذیل سوالات کئے:-

۱۔ آپ بتائیں کہ کس نبی نے یہ تعلیم دی تھی کہ اپنے دشمن سے عداوت رکھ؟ عہدِ قدیم کی کسی کتاب میں ایسا مذکور نہیں ہے۔

۲۔ احبار ۱۹/۳۳ میں لکھا ہے "اگر کوئی مسافر تمھاری زمین پر تیرے ساتھ سکونت کرے تم اُس کو مت ستاؤ، بلکہ مسافر کو جو تمھارے ساتھ رہتا ہے، ایسا جانو جیسے وہ جو تم میں پیدا ہوا ہے۔ بلکہ تو اُسے ایسا پیار کر جیسا آپکو کرتا ہے" یہاں مسافر سے مراد اجنبی غیر اسرائیلی ہے۔

۳۔ یسوع مسیح کا اپنا نمونہ کیا تھا؟ کیا وہ دشمنوں سے محبت رکھتے تھے، کیا انہوں نے اپنے اعداء یہود کے حق میں بد دُعائیں نہیں کیں، اور اُنہیں حرامکار اور شریر اور سانپو اور افعی کے بچو اور منافق وغیرہ نہیں کہا؟ کیا یہی دشمنوں سے محبت ہے؟

۴۔ یسوع مسیح نے کہا "اگر کوئی میرے پاس آئے، اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے، تو میرا شاگرد نہیں ہوسکتا" لوقا ۱۴/۲۶۔ اس کا مطلب یہ ہوا، کہ اپنے دشمنوں سے تو محبت رکھو لیکن اپنے ماں باپ اور بہنوں اور بھائیوں سے عداوت۔

۵۔ پھر سب سے بڑا اور پہلا دشمن نسلِ انسانی کا بائبل کی رُو سے شیطان ہے۔ تو کیا اس سے بھی محبت کی جائے؟

وہ پادری میرے ان سوالات کا کوئی معقول جواب نہ دے سکا۔ میں نے کہا اسلامی تعلیم یہ ہے کہ تو کسی کی ذات سے دشمنی نہ رکھ، بلکہ اَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ لوگوں کے لئے وہی بات پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ لیکن بدی سے پیار نہ کرو۔ اور اگر تم کہیں بدی ہوتی دیکھو، تو اس کا مقابلہ کرو اور اُسے اپنے ہاتھ سے مٹانے کی کوشش کرو۔ اور اس کی طاقت نہ ہو، تو زبان سے اس کی مذمت کرو۔ ورنہ دل ہی میں اُسے بُرا مناؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰؑ کا مقابلہ

کئی دفعہ اس موضوع پر مناظرہ ہوا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ میں سے کون افضل ہے۔ ایک موقع پر ایک مسیحی نے مسیح کی افضلیت ثابت کرتے ہوئے کہا کہ جس قسم کے اخلاق کا حضرت مسیح نے نمونہ دکھایا، اس کی نظیر کسی نبی میں نہیں پائی گئی۔ جب یہودیوں نے اُسے صلیب پر لٹکایا، تو اس نے اُن کے لئے ان الفاظ میں دُعا کی۔ "اے میرے باپ! تو انہیں معاف کر کیونکہ وہ نہیں جانتے"۔ میں نے کہا بیشک انہوں نے نہایت اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اُن دشمنوں کے لئے جنہوں نے آپ پر پتھر پھینکے آپ کو زخمی کیا، یہ دُعا کی تھی۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اے خدا تو میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ جو سلوک جو وہ مجھ سے کر رہے ہیں اس لئے کر رہے ہیں کہ وہ مجھے نہیں جانتے۔ ظاہر ہے کہ یہ دُعا مسیح کی دُعا سے زیادہ مکمل تھی کیونکہ ہدایت اسی وقت مل سکتی ہے، جبکہ پہلے گناہ معاف ہو جائیں۔ گویا اس میں ان کے گناہوں کی معافی کے لئے بھی آپ نے دُعا کر دی۔ پھر دونوں کی دُعاؤں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مسیح نے یہود کے گناہ کی سزا یہ بیان کی تھی کہ اُن سے آسمانی بادشاہت چھین لی جائیگی۔ وہ سزا انہیں ملی، اور مسیح کے بعد اُن سے کوئی نبی ظاہر نہ ہوا۔ گویا مسیح کی یہ معافی طلب کرنے والی دُعا بارگاہِ الٰہی میں قبول نہ ہوئی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دُعا کی تھی وہ خدا تعالےٰ نے سُن لی جب آپ نے مکہ فتح کیا، اور سرداران قریش آپ کے رو برو پیش ہوئے تو آپ نے حضرت یوسف کی طرح اُن کے گناہوں اور قصوروں کو معاف کر دیا، اور پھر وہ اسلام لے آئے۔ اور آپ کی یہ دُعا کہ اے خدا میری قوم کو ہدایت دے اپنی پوری شان سے پوری ہوئی۔

دفاعی جنگ پھر حضرت عیسےٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ثابت کرنے کے لئے اُس نے اُن کی یہ تعلیم متی ۵-۳۸-۳۹ سے پیش کی:-

"تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا تھا، کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت"

لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا[1]۔ بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔"

یہاں یسوع مسیح نے نرمی کی تعلیم دی، اور جنگ سے منع کیا، اور خون گرانے کو کبیرہ گناہ سمجھا، لیکن محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جنگ کی، اور ہزارہا انسانوں کے خون بہائے۔

مَیں نے کہا: یہ تعلیم کہ شر کا مقابلہ نہ کرو، ناقص ہے۔ اگر بدی کا مقابلہ نہ کیا جائیگا تو تمام دُنیا میں بدی پھیل جائیگی۔ لہذا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ؁ کہ نیکی اور بدی یکساں نہیں، بلکہ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ اس لئے تجھے بدی کو احسن طریق سے مٹانا چاہیئے۔ اور تیرے ایسا کرنیکا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخر کار تیرا دشمن تیرا گہرا دوست ہو جائے گا۔

اسلام نے جنگ کی اجازت صرف دفاعی صورت میں دی ہے۔ اور غرض یہ بتائی ہے، کہ اگر دفاع کی اجازت نہ دیجاتی، تو تمام اہلِ مذاہب کے معبد، گرجے، مندر اور مساجد وغیرہ گرا دیئے جاتے۔ اور یہی بات سچی ہے۔ آج اگر عیسائیت کی تعلیم پر عمل کرکے ہٹلر کا مقابلہ نہ کیا جاتا، تو سب جگہ ہٹلر ہی کا راج ہوتا۔ مگر آج تمام مہذب اقوام جو ہٹلر اور نازیوں کا مقابلہ کر رہی ہیں، سب بزبانِ حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور آپ کی عظمت کا اقرار کر رہی ہیں، اور آپ ہی کی تعلیم کو صحیح اور قابلِ عمل قرار دے رہی ہیں، اور عیسائیت کی تعلیم کے ناقص ہونے کا ثبوت پیش کر رہی ہیں۔

پھر مَیں نے بتایا، انجیل کی رُو سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار کے مقابلے میں تلوار اُٹھانا جائز تھا۔ جب یسوع کو یہود پکڑ کر لیجانے لگے، اور پطرس نے سردار کاہن کے نوکر کا آہنی تلوار سے کان اُڑا دیا، تو یسوع نے اُس سے کہا اپنی تلوار کو میان میں کرلے۔

[1] اصل میں یہاں شریعنی بدی کا لفظ ہے۔ (شمس)

"کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں، وہ سب تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے۔" (متی ۲۶/۵۲) اگر دفاعی جنگ کی بھی اجازت نہ ہو تو ظالمانہ طور پر تلوار اُٹھانیوالے کیونکر تلوار سے ہلاک کئے جاسکتے ہیں۔ وہ تو سب کو تہ تیغ کر ڈالیں گے۔ پس مسیحؑ کے اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ دفاعی جنگ جائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسیحؑ کے اس قول کی صداقت ثابت کر دی۔

مسیحؑ نے آسمانی بادشاہت کی تمثیل ایک ایسے بادشاہ سے دی ہے، جس نے اپنے بیٹے کی شادی کی، اور اپنے نوکروں کو بھیجا، کہ وہ مدعوین کو بلا لائیں، مگر انہوں نے آنا نہ چاہا۔ پھر اس نے اور نوکروں کو یہ کہہ کر بھیجا، کہ بلائے ہوؤں سے کہو، کہ دیکھو میں نے ضیافت تیار کر لی ہے، میرے بیل اور موٹے موٹے جانور ذبح ہو چکے ہیں اور سب کچھ تیار ہے، شادی میں آؤ۔ مگر وہ بے پروائی کر کے چل دیئے۔ کوئی اپنے کھیت کو، کوئی اپنی سوداگری کو۔ اور باقیوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر بے عزت کیا اور مار ڈالا۔ بادشاہ کو غصہ آیا، اُس نے اپنا لشکر بھیجکر ان خونیوں کو ہلاک کر دیا۔ اور انکا شہر پھونکدیا۔" (متی باب ۲۲) اس تمثیل میں بادشاہ خدا کا قائم مقام ہے۔ اور یہ تمثیل صاف طور پر بتاتی ہے، کہ ظالم سے بدلہ لینا جائز ہے۔ بعینہٖ یہی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مائدہ آسمانی کی طرف دعوت دی، لیکن مخالفین نے انکار تک ہی بس نہ کی، بلکہ اس مائدہ آسمانی کی طرف بلانے والوں کو تہ تیغ کیا۔ تب خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کو اجازت دی، کہ اِن ظالموں اور سفاکوں کا مقابلہ کیا جائے، تا وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔ مسیحؑ کے اِن اقوال کی موجودگی میں کسی عیسائی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاعی جنگ کو قابلِ اعتراض ٹھہرائے۔

میری ان تصریحات کو سُن کر وہ عیسائی بھی خوش ہوتے تھے، جو ہٹلر کے خلاف جنگ کی حمایت میں تھے۔ ایسی باتیں تو اور بھی بہت سی ہیں جو یہاں بیان کی جاسکتی ہیں لیکن طوالت کا

خوف مانع ہے۔

تبلیغ بذریعہ تحریر

تحریری تبلیغ بھی کئی انواع کی ہے مثلاً تبلیغی خطوط یعنی وہ خطوط جن میں اسلام کی تعلیم کی خوبیاں لکھی جاتی ہیں یا سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ یا عیسائی دینی لیڈروں سے سوالات کئے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ ذکر کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ میں نے خود بادشاہوں اور مشہور وزراء اور لیڈروں کو بھی تبلیغی خطوط لکھے اور انہیں کتب بطور تحفہ بھیجیں شہنشاہ معظم جارج ہفتم کو بھی تبلیغی خط لکھا، اور ملکہ ہالینڈ کو بھی، اور شاہ ناروے اور کنگ پیٹر آف یوگوسلاویہ کو بھی خطوط لکھے، جنہوں نے کتب کے ہدیہ کو قبول کرتے ہوئے شکریہ کے خطوط بھیجے۔ اسی طرح فیلڈ مارشل سمٹس وزیر اعظم جنوبی افریقہ، مسٹر کنگ پرائم منسٹر آف کینیڈا، پرائم منسٹر آسٹریلیا اور پرائم منسٹر نیوزیلینڈ کو بھی خطوط لکھے اور کتب بھیجیں، جو انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کیں۔ یونائٹڈ نیشنز کی جنرل اسمبلی کا جو اجلاس اس سال لنڈن میں ہوا، اس میں شامل ہونیوالے ایک سو پچاس نمائندوں کو بھی لٹریچر بھیجا گیا۔

آرچ بشپ آف کنٹربری سے خط وکتابت

اس جگہ بطور مثال نہایت اختصار کے ساتھ اس خط وکتابت کا ذکر کرتا ہوں، جو میرے اور آرچ بشپ آف کنٹربری کے درمیان ہوئی۔

۷ رنومبر ۱۹۴۲ء کو لنڈن پریس میں آرچ بشپ آف کنٹربری اور آرچ بشپ آف یورک کا متفقہ اعلان شائع ہوا کہ یہ قدیم رسم کہ عورتیں چرچ میں ننگے سر داخل نہ ہوں سینٹ پال کا حکم ہے۔ اور یہ حکم متقاضی ہے کہ عورتیں پردہ کریں۔ لیکن پردہ کا استعمال مدت ہوئی متروک ہوچکا ہے۔ لہذا بشپوں کے مشورہ کے بعد ہم یہ اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی عورت اور لڑکی چرچ میں ننگے سر داخل ہونے سے نہ ہچکچائے اور نہ اسکے متعلق اعتراض کیا جائے۔ (ٹائمز)

اس موقع پر میں نے آرچ بشپ آف کنٹربری سے مؤرخہ ۱۴ رنومبر ۱۹۴۲ء کو بذریعہ خط

چند سوالات کئے۔ مَیں نے لکھا کہ آپ کا اعلان یقیناً سینٹ پال کے حکم مندرجہ اکرنتھیوں باب ۱۱ کے خلاف ہے۔ اس لئے کیا مَیں آپ سے مندرجہ ذیل سوالات کر سکتا ہوں ؟ :-

۱۔ کیا جو احکام اور قوانین نئے عہد نامہ میں مذکور ہیں، وہ منسوخ ہو سکتے ہیں ؟

۲۔ اگر ہو سکتے ہیں، تو ان کی تنسیخ کا حق کیسے حاصل ہے ؟ کیا نازیوں نے بھی اسی طرح انجیل کے احکام کو منسوخ نہیں کیا تھا ؟

۳۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں، کہ شاگردانِ مسیح کے خطوط میں مندرجہ احکام وہدایات صرف مخاطبین کے لئے تھے، یا تمام لوگوں اور تمام زمانوں کے لئے ؟ اگر آخری بات درست ہے تو پھر ان میں سے کسی کو منسوخ کر دینا یقیناً چرچ کے عقیدہ کے مخالف ہوگا۔ جبکہ سینٹ پال نے صاف کہا ہے، "تم میرے پیرو بنو جیسے مَیں مسیح کا پیرو ہوں"، اور ان احکام پر پوری طرح عمل کرو جو مَیں نے تمہیں لکھے ہیں۔

۴۔ سینٹ پال نے اس حکم کی یہ وجہ بیان کی ہے "ہر مرد کا سر مسیح اور عورت کا سر مرد اور مسیح کا سر خدا ہے۔ جو مرد سر ڈھکے ہوئے دُعا یا نبوت کرتا ہے وہ اپنے آپکو بے حرمت کرتا ہے۔ اور جو عورت بے سر ڈھکے دُعا یا نبوت کرتی ہے، وہ اپنے سر کو بے حرمت کرتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ البتہ مرد کو اپنا سر ڈھانکنا نہ چاہیئے کیونکہ وہ خدا کی صورت اور اس کا جلال ہے۔ مگر عورت مرد کا جلال ہے۔ اس لئے کہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے اور مرد عورت کیلئے نہیں بلکہ عورت مرد کے لئے پیدا ہوئی ہے۔" (اکرنتھیوں باب ۱۱) عورت کے چرچ میں سر ڈھانکنے کے جو وجوہ سینٹ پال نے بیان کئے ہیں وہ اگر درست ہیں تو پھر یہ حکم کیونکر باطل ہو سکتا ہے ؟ ورنہ ماننا پڑیگا، کہ باعثِ حکم بھی غلط اور باطل ہیں۔

۵۔ آپ کے اعلان کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا یہ موجب اعتراض ہوگا، اگر مرد چرچ میں اپنے سروں پر ہیٹ رکھ کر جانا شروع کر دیں ؟

آرچ بشپ آف کنٹربری کی طرف سے:- "مسٹر ہیلن اے وائٹ ٹامسن نے ۱۹ نومبر کو مجھے لکھا، کہ

آرچ بشپ کو آپ کا خط مل گیا ہے، لیکن کثرت مشاغل کی وجہ سے وہ خود ذاتی طور پر نہ ہر شخص کو خط لکھتے ہیں اور نہ سوالات کے تفصیلی جوابات دے سکتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک گرجہ میں عورتوں کے ہیٹ پہن کر جانے سے سینٹ پال کی مراد اُن عورتوں سے تھی جو نماز پڑھاتی تھیں۔

۲۷ر نومبر کو میں نے اس خط کے جواب میں لکھا۔ اگر سینٹ پال کا یہی مقصد تھا کہ عورتیں پردہ کریں، تو پھر ہر ایک کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اس حکم کی تعمیل کرے۔ ورنہ وہی سوال اٹھیگے جو میں پہلے خط میں لکھ چکا ہوں۔ اور یہ کہنا کہ سینٹ پال کا یہ حکم صرف اُن عورتوں کے لئے تھا جو نماز پڑھائیں نہ کہ عام عورتوں کے لئے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے اس خط میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ عورتوں کو چرچ میں بولنے تک کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اور یہ کہ اگر وہ کوئی سوال بھی دریافت کرنا چاہیں، تو اُنہیں گھر میں اپنے خاوندوں سے پوچھنا چاہیئے۔ نیز وہ لکھتا ہے کہ جو باتیں مَیں لکھ رہا ہوں وہ مسیح کے اقوال ہیں۔ اور اتیمتھیس باب ۲ میں لکھتا ہے "عورت کو چپ چاپ کمال تابعداری سے سیکھنا چاہیئے۔ اور مَیں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے، یا مرد پر حکم چلائے، بلکہ چُپ چاپ رہے، کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا ہے، اس کے بعد حوا، اور آدم نے فریب نہیں کھایا، بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی" پھر یہ بھی سوچنا چاہیئے۔ کہ اگر کوئی عورت اپنے خداوند کے حکم کے ماتحت عبادت کے وقت سر پر ہیٹ نہیں رکھ سکتی تو اس سے یہ توقع کیونکر کی جا سکتی ہے، کہ اگر اُسے ننگے سر گرجہ میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے، تو وہ عاجزی اور سنجیدگی سے دُعا کریگی۔ میرے نزدیک اصل وجہ گرجوں کی بے آبادی کی یہ ہے۔ کہ اُن کے دلوں میں عیسائیت کی صداقت پر ایمان نہیں رہا۔

آرچ بشپ آف کنٹر بری کے چیپلن نے ۲ر دسمبر ۱۹۴۲ء کو اس خط کا یہ جواب دیا، کہ آرچ بشپ اپنے پہلے جواب پر کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتے۔ اور کثرتِ خطوط کی وجہ سے

وہ تمام خطوط کا تفصیلی جواب نہیں دے سکتے۔

اب ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے، کہ اگر آرچ بشپ آف کنٹربری کے پاس میرے سوالات کا کوئی معقول جواب ہوتا، تو وہ میرے خط کو بھی اُن چند خطوط میں شمار کر سکتے تھے جن کے وہ تفصیلی جواب دیتے ہیں لیکن انہوں نے کثرتِ مشاغل کا عُذر رکھ کر اس مسئلہ کو ٹالنے ہی میں مصلحت سمجھی۔

مقالات

پرائیویٹ خط و کتابت کے علاوہ اخبارات میں بھی مضامین دیئے جاتے ہیں۔ اخبارات کے نمائندے بھی بعض وقت دار التبلیغ میں آتے ہیں۔ اور اسلام کے متعلق بعض معلومات حاصل کر کے اپنے اخبارات کو بغرضِ اشاعت بھیجتے ہیں۔ اسی طرح کبھی کبھی نومسلموں کے کوائف بھی شائع کرتے ہیں۔ اخبارات میں شائع شدہ مضامین سے اُن غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا مقصود ہوتا ہے جو یورپ میں اسلام کی نسبت پھیلائی گئی ہیں۔

لٹریچر

جو لوگ اسلام کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے خواہشمند ہوں انہیں بعض ایسی کتب دیجاتی ہیں، جن میں اسلامی تعلیم کی خوبیاں اور اس کی برتری بیان کی گئی ہے۔ اِس وقت تک کئی کتب اور لاکھوں کی تعداد میں پمفلٹ لندن مشن کی طرف سے شائع کئے جا چکے ہیں لیکن اِس جگہ مَیں صرف ایک کتاب اور اس کے متعلقہ اشتہارات کا ذکر کروں گا، جو مَیں نے اپنی واپسی سے پہلے شائع کی۔

قبرِ مسیح کا اشتہار

مسیح موعود کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی، کہ وہ کاسرِ صلیب ہوگا۔ یعنی خدا تعالےٰ اُسے ایک ایسا حربہ دیگا جس سے صلیبی طلسم بالکل ٹوٹ جائے گا۔ چنانچہ جب وہ موعود مسیح ہم میں ظاہر ہُوا، تو اُس نے وہ کاری حربہ استعمال کیا جس سے صلیبی عقیدہ پاش پاش ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر سے زندہ اُترے تھے، اور آخر کار کشمیر پہنچ کر طبعی موت سے فوت ہوئے۔ اور یہ عقیدہ کہ مسیحؑ صلیب پر مر کر تین دن کے بعد زندہ ہو گئے، اور

پھر آسمان پر چلے گئے عیسائی مذہب کی رُوح رواں اور جان تھی، جس کے ابطال سے موجودہ عیسائیت کا مذہبی لحاظ سے خاتمہ ہوجاتا ہے۔ پولوس کہتا ہے "اگر مسیح صلیب پر مرنیکے بعد) نہیں جی اُٹھا تو ہماری مُنادی بھی بے فائدہ ہے اور تمہارا ایمان بھی بے فائدہ" (اکرنتھیوں ۱۵)

۱۹۳۹ء میں میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل تحریر پڑھی :۔

"یورپ اور دوسرے مُلکوں میں ہم ایک اشتہار شائع کرنا چاہتے ہیں جو بہت ہی مختصر ایک چھوٹے سے صفحہ کا ہو تاکہ سب اُسے پڑھ لیں۔ اس کا مضمون اتنا ہی ہو کہ مسیح کی قبر سرینگر کشمیر میں ہے۔ جو واقعات صحیحہ کی بنا پر ثابت ہوگئی ہے۔ اس کے متعلق مزید حالات اور واقفیت اگر کوئی معلوم کرنا چاہے تو ہم سے کرلے۔ اس قسم کا اشتہار ہو جو بہت کثرت سے چھپوا کر شائع کیا جائے" (الحکم مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۰۸ء)

اس تحریر کو پڑھتے ہی میرے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اِس خواہش کو پُورا کرنے کے لئے ایک اشتہار شائع کرنیکی تحریک ہوئی۔ چنانچہ قبرِ مسیح کے فوٹو کے ساتھ دو اڑھائی سو لفظ کا ایک اشتہار چار ہزار کی تعداد میں چھپوایا۔ پھر حضرت شیخ عرفانی کبیر کی تحریک پر ایک لاکھ کی تعداد میں چھپوایا گیا۔ لیکن جنگ کے شروع ہوجانیکی وجہ سے اُسے تقسیم نہ کیا گیا۔ چھ سال جنگ کے گذر گئے اور یہ اشتہار جس کی تقسیم کے لئے کئی اشخاص کی ہمت درکار تھی، اس کا خدا تعالےٰ نے یہ سامان کیا، کہ گذشتہ سال خاتمہ جنگ پر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے تیرہ مبلغین کو لنڈن روانہ کیا۔ اور اُن کے ذریعہ یہ کام سرانجام پایا۔ دوسری چیز جو اِس اشتہار کی تقسیم کے لئے ضروری تھی، وہ یہ تھی کہ ہمارے پاس ایک ایسی کتاب ہو، جو مسیح کے صلیبی موت سے نجات پانے اور پھر ہندوستان جانے اور وہاں مدفون ہونے پر تفصیلی بحث کرے۔ سو اس کے لئے اللہ تعالےٰ نے خاکسار کو توفیق بخشی کہ اِس موضوع پر ایک کتاب لکھوں جو وہ بھی مبلغین کے پہنچنے پر چھپ کر تیار ہوگئی۔ اشتہار کی تقسیم شروع ہوئی۔ نو دس مبلغین کا لنڈن کے مختلف محلوں میں جا کر اشتہار تقسیم کرنا اہلِ لنڈن

کے لئے ایک عجیب وغریب بات تھی مبلغین کی آمد پر یہاں کے پریس میں کافی چرچا ہو چکا تھا۔ اخبار ڈیلی ایکسپریس نے مبلغین کے پہنچنے پر ایک نوٹ لکھا۔ ڈیلی سٹار نے سب مبلغین کی ایک فوٹو شائع کی۔ مختلف نیوز ایجنسیوں نے انٹرویو کئے۔ جن سے دُنیا کے مختلف گوشوں تک سلسلہ کا ذکر پہنچا۔ چنانچہ ہندوستانی، امریکن، کینیڈین، فرنچ اور عربی وغیرہ اخبارات کے ہمارے پاس تراشے پہنچے جن میں مبلغین کا فوٹو اور ذکر شائع ہوا۔

جب یہ اشتہار جس کا عنوان The Tomb of Jesus in India تھا کثرت سے تقسیم کیا گیا، تو بعض اخبارات اور رسالوں کے ایڈیٹروں نے اس کے متعلق مزید معلومات چاہیں جنہیں میری مفصل کتاب Where did Jesus Die? بھیجی گئی۔ اس اشتہار اور میری کتاب کے متعلق سینکڑوں اشخاص نے مزید تحقیق کے شوق کا اظہار کیا، اور خطوط لکھے۔ جن میں سے چند خطوط کا اقتباس بطور نمونہ مشتے از خروارے درج کرتا ہوں:۔

۱۔ ڈاکٹر ڈڈلی رائٹ نے لکھا: "آپ کی کتاب لاجواب ہے۔"

۲۔ مس میسن رسکو نے اشتہار پڑھ کر دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے مزید معلومات چاہیں۔ جب کتاب بھیجی گئی تو انہوں نے پڑھ کر تسلی کا اظہار کیا۔ جس پر انہیں "اسلام" وغیرہ کتب بھیجی گئیں۔ اور اُن کے مطالعہ کے بعد وہ مسلمان ہو گئیں۔

۳۔ مسٹر فشر ایڈیٹر رسالہ "ریلیجنز" نے لکھا، جس فاضلانہ اور علمی قابلیت کا اس کتاب میں اظہار کیا گیا ہے، اور جس عمدہ طریق سے آپ نے اپنے کیس کو پیش کیا ہے اس پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

۴۔ ایک کالجیئٹ نے لکھا: میں نے اور میرے دوست نے احمدؐ آف قادیان کے دعویٰ کو کہ مسیح کی قبر کشمیر میں ہے پڑھا ہے اور ہم اس کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے بہت مشتاق ہیں۔ ہم تو بغیر تحقیق کے یہی مانتے چلے آئے کہ مسیح کی قبر فلسطین میں ہے۔ اور

یہ کہ وہ آسمان پر چلے گئے تھے۔

۵۔ مسٹر پال اے ڈینیشیلز نے اشتہار پڑھ کر مزید معلومات کا مطالبہ کرتے ہوئے مجھے لکھا کہ اس میں صداقت معلوم ہوتی ہے۔ جب کتاب بھیجی گئی تو انہوں نے لکھا کہ یہ کتاب ایسی ہے جسے پڑھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس میں پیش کردہ نظریہ حق ہے۔ اور میں اسے ایسا ہی تسلیم کرتا ہوں۔ پھر دوسری کتابیں پڑھ کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے بعد ان کی بیوی بھی مسلمان ہو گئیں۔

علاوہ ازیں کئی اخبارات اور رسالوں میں اس کے متعلق مضامین شائع ہوئے۔ ومبلڈن برو نیوز نے اس کے متعلق ایک بہت عمدہ نوٹ لکھا جس کے شائع ہونے پر بہت سے اخبار بین حضرات نے ایڈیٹر کو خطوط لکھے۔ جو متعدد پرچوں میں شائع ہوئے۔ ان میں سے بعض ہماری تائید میں تھے، اور بعض مخالف۔ ایک شخص نے لکھا اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ مسیح نے طبعی وفات پائی تو اس میں کیا حرج ہے۔ آخر ان کی تعلیم تو بہت اچھی ہے۔ اس کے جواب میں ایک پادری نے لکھا کہ اگر یہ تسلیم کیا جائے تو یقیناً عیسائیت غلط اور باطل ہوگی۔

سائیکک نیوز Psychic News جو سپرچولسٹوں کا سب سے کثیر الاشاعت ہفتہ وار اخبار ہے، اس کے ۲۰ اپریل ۱۹۴۶ء کے پرچہ میں ایڈیٹر کے دو تین کالم کا مضمون شائع ہوا جس میں ایڈیٹر نے میری کتاب پر بہت اچھا ریویو اور قبر مسیح کا فوٹو شائع کیا۔ اس کی اشاعت پر بھی بہت سے سپرچولسٹوں نے ایڈیٹر کو خطوط لکھے، جن میں سے بعض ہمارے نظریہ کے مؤید تھے اور بعض مخالف۔ اس اخبار کے ۱۱ مئی کے پرچہ میں ایک نامہ نگار مسٹر جورج رلف نے لکھا کہ ان کے گائیڈ نے مدت ہوئی انہیں یہی بتایا تھا کہ یسوع مسیح کشمیر میں فوت ہوئے تھے حقیقت میں ماسٹر یسوع نے ایک پختہ اور لمبی عمر پائی اور دوسرے ملکوں کو گئے۔

اور بھی کئی اخبارات نے اس مسئلہ پر مقالات لکھے جن کے یہاں درج کرنے کی گنجائش نہیں۔

چرچ والوں میں اس سے ایک اضطراب اور بےچینی پیدا ہوئی۔ چنانچہ بشپ آف لنڈن نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ ہمارا یہ خیال کہ صرف ہم ہی مذہب کو تبلیغ کے ذریعہ پھیلاتے ہیں درست نہیں۔ ہمارے بالمقابل ایک اور مذہب بھی ایسا موجود ہے جو اسی رنگ میں ہمارا مقابلہ کرتا ہے۔ اخبار فری تھنکر کے رپورٹر نے اس تقریر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ بشپ کو گھبراہٹ اس بات سے ہوئی تھی کہ اُس نے ایک ٹیوب ریلوے سٹیشن پر چند مشرقی لوگوں کو ٹریکٹ تقسیم کرتے دیکھا تھا جس میں مسیح کی قبر کی تصویر بھی تھی، ورنہ کوئی بم نہ گرے تھے۔ چرچ کے مشہور آرگن "دی لائف آف فیتھ" مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۴۶ء میں ایک مضمون احمدی مبلغین کی آمد اور ایک لاکھ اشتہار کی تقسیم نیز میری کتاب کے متعلق شائع ہوا جس کا عنوان یہ ہے The Muslim Invasion of England یعنی مسلمانوں کا انگلستان پر حملہ۔ یہ مقالہ ریورنڈ سٹیفورڈ رائٹ ایم۔ اے سینئر ٹیوٹر آف اوک ہل کالج کا لکھا ہوا ہے۔ وہ اس مقالہ میں لکھتے ہیں کہ "اس پروپیگنڈا کی ذمہ وار احمدیہ جماعت ہے جو اسلام کی ایک برانچ اور زبردست تبلیغی موومنٹ ہے۔" اور میری کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:۔ "a Carefully documented attack upon Christianity" یعنی یہ کتاب ہشیاری اور احتیاط سے مرتب کیا ہوا عیسائیت پر ایک تحریری حملہ ہے۔ پھر لکھتے ہیں:۔

"یہ ہم عیسائیوں کے لئے دائمی شرم کا باعث ہے۔ کہ ہمارے ملک پر مسلمانوں کی طرف سے اس قسم کی لشکر کشی اور حملہ ہو رہا ہے۔ برطانوی تحمل اور بردباری کے پیش نظر یہ بالکل ممکن ہے کہ کسی حد تک یہ پروپیگنڈا پھیل جائے۔ اس صورت میں ہمیں انکے مقابلے کے لئے پوری طرح مسلح ہو جانا چاہیئے۔"

ان چند اقتباسات سے پتہ لگ سکتا ہے کہ جس جہاد کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شروع کیا تھا، اس کا آج انگلستان کے پادریوں پر کیا اثر ہو رہا ہے۔ وہ چلا اُٹھے ہیں کہ

جماعت احمدیہ کے مجاہدین نے انگلستان کی سرزمین پر دھاوا بول دیا ہے۔ اور وہ اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں کہ اُن کے لئے احمدیت کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔

جب ایک لاکھ اشتہار تقسیم کیا جا چکا تو میں نے ایک اور اشتہار بیس ہزار کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کرایا۔ اس میں پہلے اشتہار کا ملخص اور چند موافق و مخالف خطوط کا خلاصہ دیکر چرچ کو پھر چیلنج دیا گیا کہ ہم ہر وقت اُن سے اِس موضوع پر بحث کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن کسی پادری کو مقابل پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

لنڈن مشن کی بین الاقوامی شہرت

اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو بیغظیر ترقی بخشی ہے۔ لنڈن مشن کے دار التبلیغ میں خیر مقدم کی تقریبات پر لارڈز اور بڑے بڑے اراکین تشریف لاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس تقریب کا ذکر کرتا ہوں، جس کا انتظام میں نے ۱۹۳۹ء میں امیر فیصل وائسرائے آف مکہ اور فلسطین کانفرنس کے دوسرے مندوبین کو خوش آمدید کہنے کے لئے کیا تھا۔ اس موقع پر یمن، شام، فلسطین، اور عرب وغیرہ کے زعماء کے علاوہ لنڈن کے اکابر، ریٹائرڈ آفیسرز، مختلف حکومتوں کے چھ سفیر، پارلیمنٹ کے ممبر، دس نائٹ (Knights) اور انگلستان اور دیگر ممالک کے دوسرے بڑے بڑے عہدیدار اور اہلِ مناصب تشریف لائے تھے۔ اِس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اب خدا کے فضل سے ہمارے مشن کو ایک بین الاقوامی شہرت اور تعارف حاصل ہو چکا ہے۔

نومسلموں کا اخلاص

مسجد میں بعض وقت انگریز نومسلم اذان دیتے ہیں۔ اور اشھد ان لا الٰہ الّا اللہ اور اشھد انّ محمد رّسول اللہ کی آواز بلند کرتے ہیں۔ عربی زبان میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور بعض قرآن مجید کو عربی زبان میں پڑھنا سیکھتے ہیں۔ اور حسبِ توفیق چندوں میں بھی حصہ لیتے ہیں چنانچہ ۱۹۴۵ء میں احمدیہ جماعت لنڈن نے مختلف مدات مثلاً چندہ عام، چندہ تراجم القرآن،

زکوٰۃ، چندہ برائے تعلیم الاسلام کالج، عید فنڈ، چندہ برائے مسجد سیرالیون، چندہ تحریک جدید اور دیگر تحریکوں میں کُل ۴۴۰۵ پونڈ ۱۲ شلنگ ۳ پنس یعنی چھ ہزار روپیہ کے قریب چندہ دیا

لمحۂ فکریہ

وہ لوگ جو اس مقدس جماعت میں ابھی تک شامل نہیں ہوئے غور کریں کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالےٰ کی طرف سے نہ ہوتے، تو وہ اُن کی ایسی نصرت کیوں فرماتا۔ آج دُنیا کے مختلف ممالک میں آپؑ کے خدام تبلیغِ اسلام کر رہے ہیں۔ اور صرف یورپ میں اٹلی، فرانس، سپین، سوئٹزرلینڈ اور انگلستان میں مشن قائم ہیں۔ آپؑ کی جماعت خدا تعالےٰ کے فضل سے وہ کام کر رہی ہے، جو دُنیا کے تمام مسلمان مجموعی لحاظ سے بھی نہیں کر سکے۔ اس حالت پر غور کرو جبکہ آپؑ نے "ازالہ اوہام" میں مغرب میں تبلیغِ اسلام کے متعلق اپنا رؤیا لکھا۔ اُس زمانہ میں آپؑ کے مُرید ایک ہزار بھی نہ ہوں گے۔ لیکن اُس وقت آپؑ نے تحریر فرمایا، کہ آپؑ کی تعلیم انگلستان میں پھیلیگی، اور راستباز انگریز صداقت کا شکار ہوں گے۔ کیا اس وقت کسی ظاہر پرست کے خیال میں یہ آسکتا تھا، کہ آپؑ کی جماعت اِس قدر ترقی کرے گی کہ دُنیا کے مادی سنٹر میں اسلامی مرکز قائم کرے گی، اور تثلیث کے مرکز میں مسجد بنائے گی۔ اور مذہبی لحاظ سے اس کا حملہ اتنا قوی ہوگا، کہ مخالفِ اسلام اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھے گا، اور جماعت کی روحانی طاقت کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوگا، اور میدانِ حُجت و بُرہان میں اپنے تئیں کمزور اور ضعیف یقین کرے گا۔ اس میں سوچنے والوں کے لئے ایک نشان ہے۔

اے وہ لوگو! جو آسمانی سلسلہ سے اب تک علیحدہ ہو مندرجہ ذیل تحریر کو غور سے پڑھو، اور دیکھو کہ کیا خدا تعالیٰ نے جو اپنے مقدس مسیحؑ سے وعدہ کیا تھا وہ آہستہ آہستہ پُورا ہو رہا ہے یا نہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام بانی جماعت احمدیہ ۱۹۰۸ء میں فرماتے ہیں:-

"خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے۔ کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دِلوں میں بٹھائیگا۔ اور میرے سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلائیگا اور سب فرقوں پر

میرے فرقہ کو غالب کرے گا۔ اور میرے فرقہ کے لوگ اِس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے، کہ اپنی سچائی کے نُور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رُو سے سب کا مُنہ بند کریں گے۔ اور ہر ایک قوم اِس چشمہ سے پانی پئے گی۔ اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھُولیگا۔ یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جاویگا بہت سی روکیں پیدا ہونگی اور ابتلاء آئیں گے۔ مگر خدا سب کو درمیان سے اُٹھا دیگا۔ اور اپنے وعدہ کو پُورا کرے گا۔ اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ میں تجھے برکت پہ برکت دُونگا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ سو اے سُننے والو! اِن باتوں کو یاد رکھو اور اِن پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ رکھ لو۔ کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ جو ایک دن پُورا ہوگا۔ مَیں اپنے نفس میں کوئی نیکی نہیں دیکھتا۔ اور مَیں نے وہ کام نہیں کیا جو مجھے کرنا چاہیئے تھا۔ اور مَیں اپنے تئیں صرف ایک نالائق مزدور سمجھتا ہوں۔ یہ محض خدا کا فضل ہے جو میرے شاملِ حال ہوا۔ پس اُس خدائے قادر اور کریم کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ اِس مُشتِ خاک کو اُس نے باوجود اِن تمام بے ہُنریوں کے قبول کیا۔"

(تجلیاتِ الٰہیہ ص۲۱، ۲۲)

نوٹ :۔ اِس مضمون میں فاضل مقالہ نگار نے احمدیہ مشن لنڈن کے کام کے صرف ایک یعنی مذہبی پہلو کی کسی قدر تفصیل بیان کی ہے مسلمانانِ عالم کے سیاسی حقوق کے سلسلہ میں ہمارے مبلغین لنڈن میں جو خدمات سرانجام دیتے رہتے ہیں ان کا ذکر اِس مضمون میں نہیں آیا۔ احمدیہ مشن لنڈن کی اسلامی سیاسی خدمات پر مولانا شمس صاحب ایک علیحدہ مضمون میں خامہ فرسائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ وباللہ التوفیق ؎

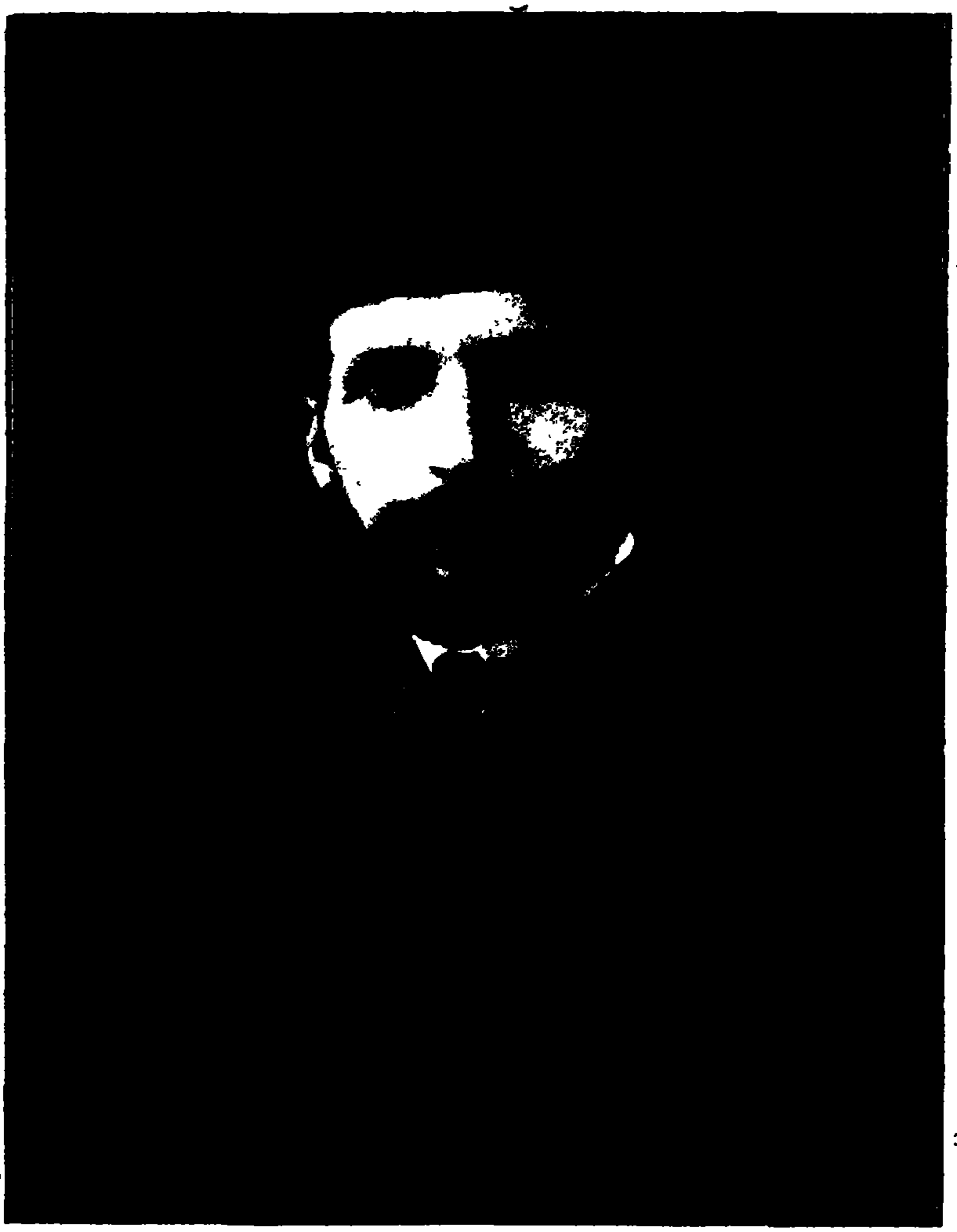

السید منیر الحصنی امیر جماعت احمدیہ دمشق
جو قادیان میں دینی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لئے
تشریف لائے ہوئے ہیں

عربی ممالک میں تبلیغ

(از جناب سید منیر الحصنی صاحب امیر جماعت احمدیہ دمشق)

[یہ مضمون خاکسار ایڈیٹر کی درخواست پر ہمارے محترم بھائی سید منیر الحصنی صاحب نے عربی زبان میں لکھا، اور اس کا اُردو ترجمہ مکرم جناب مولانا عبد الاحد صاحب فاضل معلم مدرسہ احمدیہ نے کیا ہے۔ جزاھما اللہ خیراً۔]

جن دنوں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہندوستان میں احیاء اسلام کے لئے کوشاں، اور ہندوستان کے رہنے والوں کو علی الاعلان دعوتِ اسلام دینے میں مشغول تھے، اُنہیں ایام میں حضور نے اسلام کی تائید میں اپنی جلیل القدر مطبوعہ کتب ممالکِ بیرونِ ہند میں بھی ارسال فرمائیں۔ آپ نے ہندوستان سے باہر کے دُور و نزدیک تمام ممالک میں اپنی تالیفات جو دلائل و براہین سے مملو ہیں، اور جن سے صداقتِ اسلام روزِ روشن کی طرح چمک اُٹھی، بھیجیں۔ جن ممالک میں حضور کی کتب پہنچیں، اُن میں بلادِ عرب بھی شامل ہیں۔ حضور نے اپنی کتب میں حُجج قاطعہ سے ان تمام تحریکات کا رد فرمایا جو اُس زمانہ میں اسلام کے خلاف اُٹھ رہی تھیں۔ بالخصوص عیسائیت کا جس نے تمام اسلامی ممالک میں فتنہ و فساد پیدا کر رکھا تھا، اور جس کے مقابلہ سے عرب کلیۃً لا پرواہ ہو کر گہری نیند میں مدہوش خراٹے بھر رہے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عرب ممالک میں مذہبی آزادی مفقود تھی۔ میری مراد مذہبی آزادی کے فقدان سے یہ نہیں، کہ وہاں شعائرِ اسلامی اور مراسم دینی کی بجا آوری کی ممانعت تھی، بلکہ

مُراد یہ ہے کہ ترکی حکومت کے ماتحت کسی شخص کو تبلیغ کرنیکی اجازت نہ تھی یعنی نہ کوئی غیر مُسلم عیسائی وغیرہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرسکتا تھا اور نہ اسلامی اقلیت والے فرقے جیسے شیعہ اہلحدیث وغیرہ اپنے اعتقادات و خیالات کی اشاعت کرسکتے تھے۔

حکومتِ ترکیہ کے ماتحت سب سے بڑا اسلامی فرقہ جس کی مُلک میں اکثریت تھی سُنی مسلمانوں کا تھا، اور ترکی حکومت اِسی فرقہ کے مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اس کے لئے بہت آسان تھا، کہ وہ اشاعتِ اسلام کی کوشش کرتی، اور اس کے لئے مبلغ تیار کرتی، لیکن افسوس کہ اُس نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس کے علاوہ بھی عرب ممالک میں دعوتِ اسلام کے لئے کوئی تبلیغی جماعت نہ تھی، اور نہ اُنہیں اِس امر کا کوئی حقیقی احساس ہی تھا کہ اسلام اِن دنوں کن مصائب و آفات میں گھِرا ہُوا ہے۔ ہاں بہت سے برائے نام دینی مدارس ضرور موجود تھے، جن میں درسی کتب بطور تقلید تو بے شک پڑھائی جاتی تھیں، مگر متعلمین کو حقائق و معارفِ اسلام اور اس کے احکام کی حکمتوں سے بالکل بے خبر رکھا جاتا تھا۔

یورپین اقوام نے اِس موقع کو غنیمت جان کر بہت سے عیسائی مشن بلادِ عربیہ میں بھیج دیئے، اور انہوں نے ان مشنوں کا تانتا باندھ دیا۔ لیکن چونکہ ایسے مشن علی الاعلان عیسائیت کی تبلیغ نہ کرسکتے تھے، اس لئے انہوں نے مدارس ہسپتال اور مطب جاری کر دیئے، اور اُن کی آڑ میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ اِس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ حکومت اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے سکول آج سے دس برس پہلے تک بالکل مغربیت کے رنگ میں رنگین ہو چکے تھے، حالانکہ اس سے پچاس سال قبل کسی یورپین کو اتنی اجازت بھی نہ تھی کہ وہ اپنی ہیٹ سر پر رکھ کر دمشق کے بازاروں سے گذر سکے۔ اِن یورپین مدارس کا اثر اتنا وسیع ہُوا کہ مسلمان طالبات بکثرت یورپین لباس میں ملبوس نظر آنے لگیں، اور اکثر نے پردے کو خیر باد کہہ کر نہایت ہی گھنونی صورت میں یورپین لیڈیوں کی تقلید اختیار کرلی۔ یورپین مدارس کی تعداد کا اِس امر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بیروت کالج کے پرنسپل نے جب دمشق پر فرانسیسی انتداب آیا تو

اپنے ایک لیکچر میں فخریہ بیان کیا، کہ آج سے پچاس سال پہلے بیروت میں صرف ایک عیسائی سکول تھا، لیکن اب شام و لبنان میں تقریباً ایک سو عیسائی سکول ہیں۔

بلادِ عربیہ کے مشہور ترین مدارس جو عیسائیوں نے قائم کئے، اُن میں سے ممتاز مدارس بالخصوص مصر و شام میں امریکنوں اور فرانسیسیوں کے ہیں۔ عیسائیوں نے سارے اسلامی ممالک میں سکولوں اور ہسپتالوں کے ذریعہ اپنے مذہبی اثر کو اتنا وسیع کیا، کہ اگر کسی عرب باشندہ کے سامنے تبلیغ اور مبلّغ کا نام لیا جاتا، تو وہ اس سے صرف عیسائیت کی تبلیغ اور عیسائیت کا مشنری سمجھتا۔ تبلیغِ اسلام اور مبلّغِ اسلام کے نام سے عرب دُنیا قطعی ناآشنا تھی۔ اور اس حقیقت سے انہیں محض سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت نے روشناس کیا، کہ تبلیغ سے مُراد صرف عیسائیت ہی کی تبلیغ نہیں، بلکہ تبلیغِ اسلام بھی موجود ہے، اور مبلّغ سے محض عیسائی مشنری ہی مُراد نہیں، بلکہ مبلّغِ اسلام بھی موجود ہیں۔

بلاشبہ ترکی کے مشہور قائد احمد جمال پاشا نے پہلی جنگِ عظیم کے وقت ایک دینی کالج بیت المقدس میں "کلیہ صلاح الدین ایوبی" کے نام سے قائم کیا تھا، جس کی غرض مبلّغ اسلام تیار کرنا تھی۔ میں اس کالج کے طلباء میں سے ایک ہوں، اور جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب حال ناظر امورِ عامہ قادیان اس کے پروفیسروں میں سے ایک ممتاز پروفیسر تھے۔ لیکن افسوس اِس کالج سے بھی کوئی اسلامی مبلّغ پیدا نہ ہوُا، اور ترکوں کی شکست کے ساتھ وہ بھی بند ہو گیا۔ اس کے اساتذہ اور طلباء سب بکھر گئے، اور کسی نے اس طرف توجہ نہ دی کہ کن اغراض کے ماتحت یہ کالج قائم ہوُا تھا، سوائے مکرم سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کے، جنہیں اُس وقت احمد جمال پاشا نے تمام علماء سے چُن کر تاریخ و فلسفۂ ادیان کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ گویا اس کالج سے بھی کوئی ایسا فرد نہ نکلا جس کے پہلو میں اسلامی دل اور جس کی رُوح میں صدق و صفا اور دینی جذبہ موجزن ہو سوائے حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کے خدام میں سے ایک کے جو اب بھی

اشاعتِ اسلام میں مصروف ہیں۔

جس طرح مسیح کا نام ایک خوبصورت نام ہے مگر عیسائیوں نے اسے الوہیت کی طرف منسوب کرکے داغدار کر دیا ہے، جس کے باعث خود ان کا نام المسیح الدجّال رکھدیا گیا، اسی طرح بلادِ عربیہ میں تبلیغ کا نام بھی بوجہ عیسائی مشنریوں کی کثرت کے صرف الوہیتِ مسیح کی تبلیغ کیساتھ وابستہ ہوکر بُرا سمجھا جانے لگا۔ سو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندے سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کو اُمتِ محمدیہ سے مبعوث فرمایا اور اُسے مسیح کا نام دیا تا لفظِ مسیح کے پاک مفہوم کو ظاہر کرکے اِس نام کو اُس داغ سے پاک کیا جاوے جو اس کی طرف ربوبیت کو منسوب کرنے سے اس پر لگ چکا ہے۔ اور مسیح موعود علیہ السلام کے خدّام و اتباع اکنافِ عالم میں پھیل گئے جو مبلغِ اسلام کہلائے، تا تبلیغ کے نام کو بھی جو مسیحی تبلیغ کے ساتھ وابستہ ہوکر مکروہ ہو چکا تھا، دوبارہ مطہر کر دیا جائے، اور تا مسیحِ محمدی کے مناد تمام کُرۂ معمورہ میں جاکر یہ ثابت کر دیں کہ سچا دین اللہ تعالےٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے، اور خدا ہی وحدہٗ لاشریک اور ہر چیز کا رب ہے۔

بلادِ عربیہ میں عیسائی مشنریوں کا سب سے زیادہ اثر شام، فلسطین اور مصر میں ہوا۔ اور جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ جہاں دجال جائے گا مسیح موعود بھی اس کے پیچھے پیچھے اس کے قتل کے لئے جائے گا، سو ایسا ہی ظہور میں آیا کیونکہ بلادِ عربیہ میں سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعوت بھی سب سے پہلے انہیں علاقوں میں پہنچی۔ اور مسیحی مشنریوں کے ساتھ احمدی مبلغین کے مباحثات و مناظرات نے مسیحی مشنریوں کو مرعوب کر دیا۔ اور احمدیوں کے ذریعہ غلبۂ اسلام کی ایسی دھاک بیٹھ گئی کہ چند ابتدائی مناظرات کے بعد کسی عیسائی مشنری کو خواہ کتنا بڑا عالم ہو کسی احمدی مبلغ کے ساتھ مناظرہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اور احمدی مبلغ کا نام سن کر عیسائی منادوں پر کپکپی طاری ہو جاتی رہی۔

سب سے پہلا تحریری مناظرہ جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس اور امریکن پادری ریورنڈ الفرڈ نلسن صاحب کے درمیان میری کوششوں سے دمشق میں ہوا۔ موضوع مناظرہ یہ تھا، کہ مسیح ناصری کی وفات جیسا کہ قرآن مجید نے فرمایا ہے صلیب پر نہیں ہوئی۔ میرے قبولِ احمدیت کا سب سے بڑا سبب یہی مناظرہ تھا۔ کیونکہ میں نے دیکھا کہ احمدی مبلغ کے دلائل و براہین لاجواب تھے۔ مسیحی مناظر سے ان کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اور عزت وغلبۂ اسلام نصف النہار کی طرح ظاہر ہو گیا۔ عیسائی پادری اور مولانا شمس میں مناظرہ سے پہلے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اختتام مناظرہ پر ساری روئداد مناظرہ فریقین کے خرچ پر طبع کرائی جائے گی۔ لیکن جب مناظرہ ہو چکا، تو وہ اپنے اِس عہد سے پھر گیا، اور مناظرہ کو طبع کرانے پر رضامند نہ ہوا۔ اس مناظرہ کے چند سال بعد میں نے اسے احمدی رسالہ "البشریٰ" تھا، جو عربی زبان میں جبل الکرمل سے شائع ہوتا ہے، کئی قسطوں میں شائع کیا نیز اسے کتابی صورت میں "أَعْجَبُ الْأَعَاجِيبِ فِي نَفْيِ الْأَنَاجِيلِ لِمَوْتِ الْمَسِيحِ عَلَى الصَّلِيبِ" کے نام سے شائع کیا۔ اِس مناظرہ کے بعد اللہ تعالےٰ نے میرا سینہ قبولِ احمدیت کے لئے کھولدیا، اور مجھے مسیح موعودؑ کی جماعت میں داخل ہونیکا شرف حاصل ہوا اِس کے کچھ عرصہ بعد میں موسمی تعطیلات گذارنے کے لئے دمشق سے کچھ فاصلے پر بلودان نامی ایک پہاڑی گاؤں میں گیا۔ وہاں کے پادری ملحم الذہبیہ نامی سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کے قیام کے دوران میں اس پادری سے کئی مباحثات ہوئے، جن کے نتیجہ میں آخر کار اُسے راہِ فرار اختیار کرنا پڑی، اور اُس نے یہ کہہ کر مجھ سے اپنا پیچھا چھڑایا، کہ گو میں آپکے دلائل و براہین کا جواب نہیں دے سکتا، لیکن مصر میں ایک بڑے پادری صاحب ہیں وہ آپ کے تمام اعتراضات کا جواب دیں گے۔ میں نے مولانا شمس صاحب کو جوان دنوں مصر میں تھے، لکھا کہ وہ اس پادری سے مل کر تبادلۂ خیالات فرمائیں۔ لیکن مصر کے تمام پادریوں نے الوہیت مسیحؑ وغیرہ میں سے کسی موضوع پر بھی شمس صاحب سے مناظرہ نہ کیا،

اور کوئی بھی مقابلہ پر نہ آیا۔
شمس صاحب نے بڑی تحدی سے ایک رسالہ "البرھان الصریح فی ابطال الوھیۃ المسیح" لکھ کر تمام پادریوں کو چیلنج کیا کہ اس کا رد لکھیں، مگر کسی کو اس کا جواب دینے اور چیلنج قبول کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس کے بعد شمس صاحب مصر سے واپس دمشق تشریف لے آئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد بحیثیت مبلغ آپ دوبارہ مصر تشریف لے گئے۔ مجھے بھی آپ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ مصر پہنچنے پر ہم نے دیکھا کہ بعض امریکن مشن بعض خاص دنوں میں علی الاعلان مسیحیت کی تبلیغ کرتے ہیں، اور مصر کے علماء باوجود کثرت کے کوئی بھی اُن کی تردید کے لئے نہیں آتا، اور وہ لگاتار اسلام اور بانیٔ اسلام کے خلاف مسلمان نوجوانوں میں زہر پھیلا رہے ہیں۔ اس پر خاکسار اور شمس صاحب ایک مشن ہاؤس میں گئے۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ ایک مسیحی عرب شیخ کامل منصور نامی صداقت اناجیل پر لیکچر دے رہا ہے، اور یہ کہہ رہا ہے کہ دیکھو اناجیل کی اشاعت کسی جنگ و جدال کی مرہونِ منت نہیں، بلکہ وہ اپنی روحانی قوت سے اکنافِ عالم میں پھیلیں۔ لیکچر کے اختتام پر میں نے اس سے کہا کہ صداقتِ اناجیل پر شمس صاحب سے پبلک مناظرہ کر لو، تا لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کیا واقعی موجودہ اناجیل الہامی اور خدا کی طرف سے ہیں؟ اس پر اُس نے فوراً میری دعوت قبول کر لی، اور خیال کیا کہ خوب شکار ہاتھ آیا۔ اُس نے ہماری دعوت پر بہت خوشی کا اظہار کیا۔ کیونکہ اُسے خیال تھا کہ اُس کے دلائل لاجواب ہیں۔ لیکن مناظرہ شروع ہونے پر جب اسے اپنے دلائل کا بودا پن معلوم ہوا، اور لوگوں پر اس کے خلاف بُرا اثر پڑنے لگا، تو اُس نے ہم سے درخواست کی کہ بقیہ بحث کسی آئندہ روز پر ملتوی کی جائے۔ لیکن جب دوسری مرتبہ مناظرہ شروع ہوا، تو پہلی دفعہ سے بھی زیادہ اُس کی سُبکی ہوئی، اور دلائل و براہین اسلامی نے اس کے چھکے چھڑا دیئے اور اُسے ایسا مبہوت کیا کہ اُس نے دوبارہ درخواست کی کہ بقیہ مناظرہ آئندہ پر ملتوی

کیا جائے۔ ہم نے منظور کرلیا۔ لیکن تیسری مرتبہ جب ہم آئے تو بجائے مناظرہ کرنیکے اُس نے کہا کہ شمس صاحب احمدی مناظر ہیں، اور مسلمان احمدیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے، اس لئے وہ احمدی مناظر سے بحث کرنے کے لئے تیار نہیں شمس صاحب نے فرمایا کہ تم عیسائیت کے وکیل ہو اور میں اسلام کی طرف سے مدافعت کرتا ہوں۔ جب میں نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ آیا تمہیں باقی عیسائی فرقے عیسائی قرار دیتے ہیں یا نہیں، تو پھر تمہیں کہاں سے یہ حق پہنچتا ہے کہ مجھ پر یہ اعتراض کرو۔ اس کا سوائے اس کے اور کوئی مطلب نہیں کہ تم مناظرہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ اور اسلامی دلائل سے عاجز آ کر اپیچھے ہٹنے پر اُتر آئے ہو۔ لیکن اس طرح غیرت دلانے کے باوجود بھی اُسے مناظرہ جاری رکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مسلمان حاضرین نے پُرجوش تالیوں سے عیسائی پادری کی شکست اور اسلامی مبلغ کی فتح کا اعلان کیا۔ اور کئی منٹ تک اپنی تالیوں سے میدانِ مناظرہ کو گرمائے رکھا۔

اس کے بعد شمس صاحب نے اس موضوع پر ایک پمفلٹ بنام "تحقیق الادیان" شائع کیا، جس میں ثابت کیا کہ موجودہ اناجیل وحی الٰہی نہیں ہیں۔ اور عیسائیوں کو چیلنج کیا کہ اگر ان میں ہمت ہے تو اس کا جواب لکھیں۔ لیکن تمام پادریوں نے ایسی خاموشی اختیار کی گویا یہ رسالہ ایک صاعقہ تھی، جس نے سب پر موت طاری کردی۔ اسی اثنا میں مصری عیسائیوں کی مجلسِ اعلیٰ کے ایک رکن سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ رسالہ جس کے کل بلیس صفحات ہیں، اس کے جواب پر غور کرنے کے لئے مجلس اعلیٰ کی عنقریب ایک میٹنگ منعقد ہونیوالی ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جب یہ معاملہ مجلس میں پیش ہوا تو سوائے خاموشی کے اور کوئی جواب اُن سے نہ بن پڑا۔ ان مناظرات کی مصر میں بڑی شہرت ہوئی اور اس سے مصر میں جماعت احمدیہ کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا۔ سب سے پہلا مصری جسے قبولِ احمدیت کا شرف حاصل ہوا، وہ اخی فی اللہ عبدالحمید خورشید ہیں۔ ان کے بعد احمد حلمی صاحب احمدی ہوئے۔ یہ دونوں صاحبان زیارتِ قادیان دارالامان سے مشرف اور سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود

اور صحابۂ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات سے بہرہ اندوز ہو چکے ہیں، اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے روضۂ مبارک کو بچشم خود دیکھ چکے ہیں۔

مولنٰا ابو العطاء صاحب مبلغ اسلام کی قادیان سے بلادِ عربیہ کے لئے تقرری کے بعد مولنٰا شمس صاحب اُنہیں چارج دیکر قادیان تشریف لے آئے۔ مکرم مولنٰا ابو العطاء صاحب کے بھی پادریوں کے ساتھ فلسطین اور مصر میں عظیم الشان مناظرات ہوئے۔ ان مناظرات میں عیسائی پادریوں کو بُری طرح شکست ہوئی اور مناظرات کا پبلک پر بہت ہی عمدہ اثر پڑا۔ یہاں تک کہ ایک مناظرہ کے بعد میدانِ مناظرہ ہی میں ایک مشہور مصری نے کھڑے ہو کر مولنٰا ابو العطاء سے یوں خطاب کیا:۔

”آپ نے بے نظیر دلائل اور قاطع براہین سے اسلام کے چہرہ کو منور کر دیا ہے۔ اور اس کا بول بالا کر دیا ہے۔ احمدیت کی وجہ سے میں آپ کی صورت دیکھنا بھی مکروہ سمجھتا تھا۔ لیکن میرا دل اب خوشی سے باغ باغ ہو گیا ہے، اور آپ کی محبت سے پُر کیونکہ آپ نے اسلام کی طرف سے مدافعت کر کے مخالف کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ پر برکات نازل فرمائے، اور اپنی تائید و نصرت آپ کے شاملِ حال رکھے، اور خدمتِ اسلام کی توفیق عطا فرمائے۔“

مولنٰا ابو العطاء صاحب نے یہ مناظرات طبع کروا کر کلیسیائے عربیہ کے عمائدین کے پاس بھیجدیئے، اور اُنہیں چیلنج کیا، کہ ان کا رد لکھیں۔ مگر کسی نے جواب دینے کی جرأت نہ کی۔

مولنٰا ابو العطاء نے ایک رسالہ ”العهد الجديد هو القرآن المجيد“ کے نام سے شائع کیا، جس میں یہ ثابت کیا، کہ عہد جدید جس کا وعدہ تورات میں دیا گیا تھا، موجودہ اناجیل نہیں ہیں، بلکہ قرآن مجید ہے۔ اس کے علاوہ کئی ٹریکٹ شائع کئے اور مضامین لکھے، جن میں عیسائیوں کو مقابلہ کے لئے للکارا۔ آپ کے مضامین رسالہ ”البشریٰ“ اور ”البشارة الاسلامیہ“ کے علاوہ الگ پمفلٹوں کی صورت میں بھی شائع ہوئے۔

مولانا ابو العطاء کا ایک بڑا کارنامہ رسالہ "البشریٰ" کا اجراء ہے جو بلادِ عربیہ میں جماعت احمدیہ کا آرگن اور گذشتہ کئی برس سے اسلام و احمدیت کی شاندار خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ یہ رسالہ کبابیر ضلع حیفا (فلسطین) سے شائع ہوتا ہے۔ کبابیر بلادِ عربیہ میں سے احمدیوں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہاں احمدیت کو دوسرے عربی ممالک کی نسبت زیادہ کامیابی نصیب ہوئی ہے۔

مولانا ابو العطاء صاحب کے بعد مولانا محمد سلیم صاحب فاضل مشن اور رسالہ "البشریٰ" کے انچارج ہوئے۔ ان کے بعد ابھی تک مولانا محمد شریف صاحب فاضل انچارج مشن اور رسالہ "البشریٰ" کی ادارت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور تبلیغِ اسلام کے کام میں مصروف ہیں لیکن مذکورہ بالا چار مبلغینِ اسلام میں سے اوّل الذکر دو مبلغین کی مراجعت قادیان کے بعد عیسائیت کے خلاف جارحانہ حملوں کی شدت میں دو وجوہات کی بناء پر کمی آگئی۔ ایک تو یہ کہ عیسائیوں نے احمدی علماء سے شکست کھا کر مقابلہ ترک کر دیا اور ہتھیار ڈال دیئے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جنگ سے تین سال قبل فلسطین کے علاقہ میں بہت سی شورشیں اور فساد برپا رہے اور اس کے بعد حالیہ جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ لیکن اب جبکہ ان علاقوں میں امریکی نفوذ بڑھ گیا ہے، امریکہ نے بہت سے نئے سکول جاری کئے ہیں، اور بہت سے نئے مشن بھی کھل گئے ہیں۔ ان کے مقابلہ کے لئے وہاں کے احمدیوں نے بھی کافی تیاری کر رکھی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ عیسائیت اور اسلام کی مذہبی جنگ پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ جاری ہوگی، جس میں انشاء اللہ ہماری فتح یقینی ہے۔

مذکورہ بالا مبلغین کے ورود سے پہلے سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مکرم جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو دمشق بھیجا تھا۔ آپ نے وہاں کے قیام کے دوران میں ایک کتاب "حیاۃ المسیح و وفاتہ" کے نام سے تحریر فرمائی۔ اُس وقت آپ کے ساتھ شمس صاحب بھی تھے۔ اِس کتاب کا اثر نہ صرف ان عیسائیوں پر پڑا جو

وفاتِ مسیح میں اپنے مذہب کی موت تصور کرتے تھے، بلکہ بڑے بڑے مسلمان علماء اور فضلاء پر بھی اس کا بہت بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ مجھے مصر کے مشہور مفکر احمد زکی پاشا نے کئی مرتبہ کہا، کہ میں خیال کرتا تھا، احمدیوں میں کوئی مسلمان نہیں لیکن اب اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد میرا یہ خیال ہے، کہ وفاتِ مسیح کے متعلق جو تحقیق احمدیوں نے کی ہے اور جس سے اسلام کی برتری ثابت ہوتی اور عیسائیت پر کاری ضرب لگتی ہے، یہ ایک امر ہی احمدیوں کی تمام اسلامی فرقوں پر فضیلت کے لئے کافی ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور ممتاز شخصیت یعنی محسن بک البرازی نے جو حکومت سوریا کے سابق وزیر اور اب سوریا کے القصر الجمہوری کے معتمد اوّل ہیں، اس علمی تحقیق سے متاثر ہو کر مجھے کہا۔ کہ افسوس! اگر میرے دُنیوی مشاغل مانع نہ ہوتے تو سب سے بہترین کام اور سب سے معزز پیشہ جس کے اختیار کرنے پر میں فخر کرتا یہ تبلیغِ اسلام کا تھا جسے احمدی حضرات سر انجام دے رہے ہیں۔

بلادِ عربیہ میں صرف مشائخ اور مُلاؤں ہی کا ایک گروہ ہے، جو اپنی کورانہ تقلید کے باعث احمدیوں کا مخالف ہے۔ یہ لوگ بجائے اِس بات سے عبرت حاصل کرنے کے کہ ان کی دینی قیادت کے ماتحت مسلمان کیسے گر چکے ہیں، اور ان کی نا اہلی کے باعث مصطفےٰ کمال پاشا اور تمام مہذب اسلامی حکومتوں نے اُن سے کیسا استغناء کا سلوک روا رکھا، بوجہ اپنی جہالت کے ہر مبارک اسلامی تحریک کے راستہ میں سنگِ گراں بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مصر، شام اور فلسطین کے جن علماء نے احمدیت کے خلاف مخالفت کا بیڑا اُٹھایا ہے، وہ تعداد میں انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ شروع شروع میں اِن نام نہاد علماء نے احمدیت کے خلاف شور ڈالا اور مشاہیر علماء نے خود تحقیق نہ کی، اس لئے احمدیوں کے خلاف عوام میں بدظنی پھیل گئی۔ عوام کو مولویوں نے یہ کہہ کر بھی بھڑکایا، کہ احمدی انگریزوں کے جاسوس ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اُن تحریرات کو پیش کیا جن میں حضور نے انگریزوں کی اس لئے تعریف کی ہے کہ انہوں نے مذہبی آزادی دے رکھی ہے، اور تبلیغِ اسلام پر کوئی

پابندی عائد نہیں کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مشائخ کی اس مخالفت ہی کو بلادِ عربیہ میں احمدیت کے ظہور کا ذریعہ بنا دیا۔

دمشق اور فلسطین میں شمس صاحب نے بھی کئی کتابیں اور پمفلٹ مشائخ و علماء کے غلط عقائد کی تردید میں لکھے۔ جن میں سے بڑی بڑی کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔ میزان الاقوال' توضیح المرام' دلیل المسلمین' جوھر الکلام' الفوز المبین' کشف اللثام' الحق ابلج والباطل یلجلج' ان کے علاوہ تردید بہائیت پر آپنے ایک کتاب تنویر الالباب اور صداقت احمدیت پر ندا اعام کے نام سے لکھی۔ ان کتابوں اور رسالوں کا یہ اثر ہوا کہ مخالف مولوی پسپا ہو گئے' اور ان کی معقول تردید سے عاجز آ گئے۔ مجھے دمشق کے بعض مشہور علماء نے کہا کہ بلا ریب احمدیت آسمانی تحریک ہے' یہ ضرور ان علاقوں میں پھیلے گی' اور غلبہ پائیگی۔ اور بعض نے کہا کہ احمدیت ایک اہم تحریک ہے' اس کے متعلق تحقیق ضروری ہے۔

شمس صاحب نے اپنی کتاب "میزان الاقوال" میں تمام علماء و مشائخ کو چیلنج کیا کہ اگر ان میں ہمت ہے تو اس کا رد لکھیں۔ اس کتاب میں بیس سے زائد سوالات نزولِ مسیح اور ظہورِ دجال کے متعلق تھے۔ آپ نے مولویوں سے مطالبہ کیا کہ اُن کے معتقدات کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم اور احادیث میں تناقض لازم آتا ہے۔ نیز خود اُن کے بعض عقائد بعض سے ٹکراتے ہیں۔ کیونکہ وہ ظاہری الفاظ سے تمسک کرتے' اور حقیقی معنوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس کا جواب انہوں نے وہی دیا جو ہمیشہ مخالفینِ حق راستبازوں کو دیا کرتے ہیں۔ یعنی بجائے دلائل کا مقابلہ دلائل ہی سے کرنے کے انہوں نے شمس صاحب کے قتل کی سازش کی' اور رات کی تاریکی میں ان پر خنجر سے حملہ کر کے انہیں سخت زخمی کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے آپکو سلامت رکھا' اور اس مہلک زخم سے صحت عطا فرمائی۔ تا آپ ہمارے امام المصلح الموعود کے جھنڈے تلے خدمت و احیاءِ اسلام کیلئے کوشاں رہیں۔

ہمارے مقابلہ کے لئے فلسطین کی مجلس اعلیٰ اسلامیہ نے ایک خاص مبلغ شیخ مراد اصفہانی مقرر کیا۔ اس مبلغ کی اپنی عملی حالت یہ تھی کہ یورپین لباس میں ملبوس اور ڈاڑھی منڈاتا ہے۔ اس کے بارے میں شمس صاحب نے مجھے لکھا کہ میں فلسطین جاکر اُسے ملوں۔ چنانچہ میں فلسطین گیا اور اُس سے ملا۔ کبابیر میں میرا اور اُس کا مناظرہ ہوا جس میں اُسے ایسی ہزیمت اُٹھانی پڑی، کہ وہ گاؤں ترک کرنے پر مجبور ہو گیا۔ پھر مجھ سے اُس نے درخواست کی کہ میں اُس سے دوبارہ حیفا میں جمعیۃ شبان المسلمین کے روبرو مناظرہ کروں۔ میں نے اس کی دعوت قبول کی، اور جمعیۃ شبان المسلمین کے ہال میں بھی اُس سے مناظرہ کیا۔ اس مناظرہ میں بہت سے ممتاز لوگ شریک ہوئے۔ جمعیۃ کے سیکرٹری صاحب جو ایک ممتاز وکیل ہیں وہ بھی موجود تھے۔ اس مناظرہ میں بھی خدا کے فضل سے اُسے شکست فاش نصیب ہوئی۔ میں نے خود حاضرینِ مناظرہ کو مناظرہ کے بعد باہم ایک دوسرے سے یہ کہتے سُنا کہ واقعی احمدیت حق ہے۔ اس مناظرہ سے فلسطین میں غیر احمدی علماء کے مقابلہ میں بھی احمدیت کے عقائد کا غلبہ ظاہر ہو گیا، حتیٰ کہ اسلامی مجلس اعلیٰ کے ایک ممتاز رکن نے کہا کہ احمدیت واقعی سچی ہے، اور احمدی خادمِ اسلام ہیں۔ اس کے بعد اسلامی مجلس اعلیٰ نے سرکاری طور پر تسلیم کیا، کہ احمدی مسلمان ہیں، اور اس کی اطلاع محکمہ شرعیہ حیفا کو دی، تاکہ احمدیوں کے نکاح میں کوئی روک پیدا نہ ہو۔

فلسطین میں ہماری جماعت نے بہائیت کا مقابلہ بھی کیا۔ مولنا شمس صاحب، مولنا ابو العطاء صاحب، مولنا محمد سلیم صاحب اور مولنا محمد شریف صاحب سب مبلغینِ اسلام نے بہائیوں کے زعیم شوقی آفندی سے ملاقاتیں کیں، اور اُن کے نمائندوں سے مناظرات بھی کئے۔ شوقی صاحب خود تو ہمیشہ مختلف حیلوں بہانوں سے احمدیوں سے بحث کرنے کو ٹالتے ہی رہے۔ لیکن اُن کے علماء سے مختلف مواقع پر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ پہلی مرتبہ جب حیفا میں شوقی صاحب سے شمس صاحب کی ملاقات ہوئی، تو اُس نے شمس صاحب سے

عربی زبان میں گفتگو کی۔ اس کے چند ماہ بعد میں شمس صاحب کی معیت میں حیفا گیا اور شوقی صاحب سے حدیقۂ بہائیہ میں ملاقات کی لیکن جب عربی میں گفتگو شروع کی تو انہوں نے عذر کیا کہ وہ عربی میں گفتگو نہیں کر سکتے انگریزی میں بول سکتے ہیں۔ وہاں سے شام کو واپس آنے پر شمس صاحب نے مجھے کہا شوقی صاحب نے کیسی غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ وہ مجھ سے حیفا میں عربی زبان میں گفتگو کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ عکہ اور حیفا میں عربوں میں ہی پلے اور جوان ہوئے مگر عربی سے ناواقفیت کا عذر کیا۔ بہائیوں کے زعیم کی یہ خلاف بیانی ہمارے لئے تعجب کا موجب ہوئی۔ اس کے علاوہ مجھے دوسرے بہائیوں کے متعلق بھی یہ تجربہ ہوا۔ وہ جھوٹ سے کام لیتے ہیں۔ ایک مرتبہ جب میں ... ایک بہائی سے ملاقات ہوئی دوران گفتگو میں جب پوچھا تو اس نے اپنے بہائی ہونے سے انکار کیا اور تقیہ کے لباس میں ... پر اعتراضات کرتے ہوئے اس نے اپنے گرد کے لوگوں کو بھی اکسایا تا کہ وہ میرے خلاف شرارت پیدا کرے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد معلوم ہو گیا کہ وہ بہائی ہے۔ چنانچہ میرے اصرار سے دریافت کرنے پر آخر اسے اپنی بہائیت کا اقرار کرنا پڑا۔ میں نے حاضرین سے کہا دیکھئے! یہ کیسا جھوٹا شخص ہے! ابھی اس نے کہا تھا کہ وہ بہائی نہیں ہے لیکن اسی مجلس میں اپنی بہائیت کا اقرار کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اہل مجلس نے اسے بہت شرمندہ کیا۔

حیفا اور عکہ کو بہائی اپنا مرکز کہتے ہیں لیکن ان دونوں مقامات میں ان کی تعداد اتنی قلیل ہے کہ ایک اجنبی کو وہاں جا کر بہائیوں کا پتہ لگانے میں بڑی دقت پیش آتی ہے جبکہ بہائی اپنے مزعومہ مرکز میں اس قدر قلیل التعداد ہیں، تو باہر ان کی جو تعداد ہو گی اس کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے۔

احمدیت نے مصر، شام اور فلسطین میں اسلام کی تائید اور عیسائیت، بہائیت اور دیگر مخالفینِ اسلام کی تردید میں جو کچھ کیا، اس کے ذکر کے بعد میں اپنے مضمون کو اس ذکر پر ختم کرتا ہوں جو احمدیت نے اپنا اثر و نفوذ مصر میں پیدا کیا ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ

کے مخالفین میں سے مصر کے ایک عالم الشیخ رشید رضا ایڈیٹر اخبار "المنار" تھے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "الھدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ" انہیں شیخ صاحب کے مقابلہ میں تصنیف فرمائی تھی۔ اس میں آپ نے ان کی شکست اور ہزیمت کی پیشگوئی بھی فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں:- "اَمْ لَہٗ فِی الْبَرَاعَۃِ یَدٌ طُوْلٰی سَیُھْزَمُ فَلَا یُرٰی نَبَأٌ مِّنَ اللّٰہِ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی" یعنی کیا اُسے فصاحت و بلاغت میں کمال حاصل ہے۔ عنقریب وہ شکست کھائے گا۔ سو نہ دیکھا جائے گا۔ یہ اس خدا کی طرف سے پیشگوئی ہے، جو تمام اسرار اور مخفی باتوں کو جاننے والا ہے۔

شیخ رشید صاحب نے کہا کہ اِس پیشگوئی میں حضورؑ نے ان کی مُوت کی خبر دی تھی اور فرمایا تھا کہ وہ حضورؑ سے پہلے فوت ہو جائیں گے لیکن یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ چونکہ وہ لوگوں میں احمدیت کے خلاف اس کا پروپیگنڈا کرتے تھے۔ اس لئے مَیں نے اُن کو دمشق سے ایک مقالہ لکھکر بھیجا۔ جس میں ان کی غلطی واضح کرتے ہوئے لکھا، کہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں تحریف کی ہے۔ حضورؑ نے تو آپ کی میدانِ براعت سے ہزیمت کی پیشگوئی فرمائی تھی ہزیمت سے مراد آپ نے موت کیسے لے لی؟ میرے مقالہ کے جواب میں انہوں نے "المنار" کی تین اشاعتوں میں تردیدی مضامین سپردِ قلم کئے، جن میں لکھا، کہ مَیں نے کبھی قطعی طور پر نہیں کہا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے میری مُوت کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ حالانکہ وہ اِس سے پہلے "المنار" میں یقین کے ساتھ یہ لکھ چکے تھے۔

اس کے بعد مسئلہ جہاد پر بھی اُن سے تبادلۂ افکار ہوا۔ تھوڑی سی بحث کے بعد انہوں نے "باقی آئندہ" کا وعدہ کر کے بحث کو ملتوی کر دیا۔ مَیں "باقی آئندہ" کا مُدت تک انتظار کرتا رہا۔ لیکن اس کے کئی سال بعد تک انہوں نے کچھ نہ لکھا، اور بغیر جواب لکھے وفات پا گئے۔

برادرم عبد العزیز صاحب احمدی نے بھی تائید احمدیت میں ایک مضمون اخبار "الاھرام" میں سید رشید صاحب کی زندگی میں لکھا تھا۔ مَیں بھی اُن دنوں مصر میں موجود تھا۔

اس کی تردید میں شیخ موصوف نے قلم اُٹھایا، اور احمدیت پر حملے کئے۔ اسکا جواب میں نے عبدالعزیز صاحب موصوف کی طرف سے اخبار "السیاسۃ" میں دیا، اور اخبار مذکور کے ایڈیٹر ڈاکٹر حسین ہیکل سے جو ایک مشہور و معروف ہستی ہیں ملاقات بھی کی۔ آپ کے اخبار "السیاسۃ" میں میں نے بڑی تحدی سے شیخ رشید رضا صاحب کو لکھا کہ میرے مضامین کا جواب "السیاسۃ" میں لکھیں۔ مگر انہوں نے صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کی، کہ وہ ایسی جماعت کے خلاف کچھ لکھنا نہیں چاہتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی منکر اور جہاد کو باطل قرار دیتی ہے۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ قرآن مجید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ خاتم النبیین وارد ہوا ہے اور اس پر احمدیوں کا ایمان ہے۔ احمدی تو ایک ذرہ قرآن مجید سے انحراف کو موجب کفر سمجھتے ہیں۔ اور دُنیا میں کوئی احمدی فرد ایسا نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا منکر ہو۔ اور ہر احمدی بیعت کے وقت آنحضور کے خاتم النبیین ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ پس یہ کہنا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے ہم پر ظلم ہے۔ ہاں لفظ خاتم ختم کمالات کے معنوں میں آیا ہے۔ اور مسیح موعود کی آمد جیسا کہ احادیث میں ہے اور مفسرین نے بھی لکھا ہے اس بات کو ظاہر کرتی ہے، کہ مطلقاً نبوت مسدود نہیں۔ کوئی نبی ایسا نہیں آسکتا جو شریعت جدیدہ لائے، اور خادمِ اسلام نہ ہو۔ ختم کے معنی اگر نبوت کے بند ہونے کے کئے جائیں، اور اُدھر مسیح علیہ السلام جو نبی تھے ان کی آمد اُمتِ محمدیہ میں مانی جائے، تو ان دونوں امور میں تناقض لازم آتا ہے۔ رہا مسئلہ جہاد، سو جہاد بالسیف مشروط بشرائط ہے۔ اگر شروط پائی جائیں تو فرض ہے ورنہ نہیں۔ آخر میں میں نے انہیں مخاطب کر کے لکھا کہ میرے دلائل کا رد لکھیں۔ اگر نہ لکھا تو ثابت ہو جائے گا کہ آپ حق پوشی کرتے ہیں اور میرے دلائل کو توڑنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ مشہور آدمیوں میں سے یہ آخری شخص تھا، جس نے آخری مرتبہ حضور کے خلاف اپنے اخبار "المنار" میں تعصب وجہالت کی وجہ سے

مضامین لکھے۔

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس سے پہلے ایک مرتبہ مولانا ابو العطاء صاحب محترم مولانا الشیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم کی معیت میں شیخ رشید رضا کے پاس گئے۔ انہوں نے اُن کے سامنے صداقت مسیح موعود علیہ السلام کے دلائل پیش کئے اور تبادلۂ خیالات کی دعوت بھی دی۔ مگر سید رشید رضا صاحب نے جواباً صرف یہ کہا کہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔

اس کے بعد اخبار "الازہر" نے احمدیت کے خلاف مضامین لکھے جن کا مولانا ابو العطاءؔ صاحب نے اخبار "البشارة الاسلامیة" میں رد لکھا۔ اس مخالفت کے علمبردار جمعیة الہدایة الاسلامیہ مصر کے صدر اور اخبار "الازہر" کے سابق ایڈیٹر خضر حسین صاحب تھے۔ میں نے ایک مرتبہ اُن سے کہا کہ آپ وفات و حیاتِ مسیح کے مسئلہ پر کچھ نہیں لکھتے۔ حالانکہ یہ ایک اہم متنازعہ فیہ مسئلہ ہے۔ کیا آپ اس مسئلہ پر میرے ساتھ مناظرہ اور اس کے بعد مسنون طریق پر مباہلہ کرنے کو تیار ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مباہلہ کرنے کا معتقد نہیں ہوں۔ میں نے کہا اگر مباہلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل ہو سکتا ہے تو آپ کے بعد کسی اور مدعی کے لئے کیوں دلیل نہیں ہو سکتا؟ انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموش ہو گئے۔

ازہر یونیورسٹی کی سیادت الشیخ مصطفےٰ مراغی مرحوم کی طرف منتقل ہونے کے بعد اخبار "الازہر" نے احمدیت کے خلاف لکھنا بند کر دیا بلکہ اس کے برعکس اس میں علماء ازہر کا یہ فتویٰ شائع ہوا کہ مسیح ناصری وفات پا چکے ہیں۔ اس فتوے کے شائع ہونے کا سبب یہ ہوا کہ جب [illegible] صاحب [illegible] مصر تشریف لے گئے۔ انہوں نے ایک فتویٰ شیخ الازہر سے وفاتِ مسیح کے متعلق دریافت فرمایا۔ شیخ الازہر محمود شلتوت صاحب نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے استدلال کرتے ہوئے وفاتِ مسیح کا عقیدہ

اخبار "الرسالۃ" اور "الازہر" میں شائع کرایا، اور ساتھ ہی لکھا کہ یہی عقیدہ شیخ الازہر مصطفےٰ المراغی اور شیخ رشید رضا اور مفتی محمد عبدہ کا تھا۔

اہل مصر کے ترقی یافتہ طبقہ میں احمدیت کے مخصوص عقائد جیسے وفات مسیح، قرآن کریم میں کوئی منسوخ آیت نہیں، اور جہاد مشروط بشرائط ہے، مقبول ہو چکے ہیں۔ صرف مسئلہ نبوت میں بعض اکابر کو اختلاف ہے لیکن اگر انہوں نے تحقیق جاری رکھی تو امید کی جاتی ہے کہ جیسے مذکورہ بالا عقائد میں انہوں نے احمدیت کا مسلک قبول کر لیا ہے، اسی طرح انشاء اللہ اس مسئلہ میں بھی احمدیت کے نقطۂ نگاہ سے متفق ہو جائیں گے۔ [illegible]

مصر کے مشہور ادیب الاستاذ عباس محمود العقاد جنہیں [illegible] "کاتب جبار" کے نام سے موسوم کیا کرتے ہیں، انہوں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ جو تحریک تجدید و احیاء اسلام کی ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں ظاہر ہوئی ہے اس نے اپنے اعمال و خدمات سے یورپ میں اسلام کے لئے خصوصی کام کیا ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ اس تحریک کا مرکز قادیان دارالامان ہے جو پنجاب کی سرزمین میں واقع ہے۔ اور دنیا کو یہ بھی علم ہے کہ قادیان سے صرف یورپ ہی میں اشاعت و خدمت اسلام کے لئے علماء نہیں جاتے، بلکہ عرب ممالک میں بھی خدمت و اشاعت اسلام اور عیسائیت کے بے پناہ حملوں کی مدافعت کے لئے جاتے ہیں، اور اسلام کیلئے سد سکندری کا کام دیتے ہیں۔

احمدیت نے عربی ممالک میں جو اسلامی خدمات سرانجام دی ہیں، وہ عربوں کے جمود و غفلت اور بے پروائی کے مقابلہ میں ابھی ابتدائی دور میں ہیں، لیکن مجھے امید ہے کہ اللہ تعالےٰ جلد ہی اسلام کو ان ممالک میں دوبارہ غلبہ عطا کرے گا۔ میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ اگر اللہ تعالےٰ احمدیوں کو ان ممالک میں جانے کی توفیق نہ دیتا تو ان ممالک میں عیسائیت کا بے حد زور ہو جاتا اور اسلام کی ترقی بالکل مسدود ہو جاتی۔ عرب ترکوں کے محکوم تھے جس طرح ترکوں نے بالآخر یورپ کی تقلید اختیار کر لی، اور صرف قومی ترقی ہی کو اپنا منتہائے مقصود

قرار دے لیا، اسی طرح عربوں نے بھی اُن کی تقلید میں اسلامی ترقی کے خیال کو یکطرف کر کے دُنیاوی، اور قومی قوت و حکومت کے حصول کو اپنا نصب العین بنا لیا، اور اسی کے پیچھے پڑ کر اسلامی شعائر کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں یورپ کی نقل کرنے لگ گئے۔

یورپین اقوام کے ہاں ہر قسم کے سامانِ تعیش کی افراط ہے، عربوں میں بھی ان کی تقلید کے باعث بہت سے اخلاقی اور مذہبی عیوب و نقائص پیدا ہو گئے ہیں۔ اور طلباء اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کا مغرب زدہ طبقہ تو بعض اوقات اپنی جہالت کے باعث اسلامی احکام اور عقائد مثلاً پردہ، طلاق اور تعدد ازدواج وغیرہ اسلامی مسائل پر ہنسی اور تمسخر کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔ اور یہ دراصل عیسائیت کا اثر ہے۔ علماء کرام حجرہ نشین ہیں، یا سیاسی قوت و اقتدار کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ عوام حقیقی مذہبی رہنمائی سے محروم! اور اس وجہ سے شکوک و شبہات کی دلدل میں گرفتار ہیں۔

لیکن اِس آسمانی شہابِ ثاقب کے ظہور نے جو احمدیت کے رنگ میں بلادِ عربیہ میں نمودار ہوا ہے، ہر غیور مسلمان کو اسلام کے روشن مستقبل سے مطمئن کر دیا ہے، اور اس کے دل میں یقین پیدا ہو چکا ہے، کہ انشاء اللہ تعالیٰ ضرور اسلام ضلالت کی تمام فوجوں پر غالب آ کر رہیگا، جو مغرب کی جانب سے بلادِ عربیہ پر حملہ آور ہیں۔ احمدیت کے ظہور میں صرف اسکے صحیح حالات سے عدم واقفیت روک ہے۔ مسلمان عقلاء کے سامنے جب تحقیقی رنگ میں احمدیت آئے گی اور انہیں علم ہو جائے گا کہ احمدیت آسمانی تحریک اور اُن کی دینی و دُنیوی زندگی کو بلند اور عاقبت میں انہیں سرخرو کرنے والی ہے، تو یقیناً وہ اس نور سے متمتع ہو کر اپنی دُنیا و عقبےٰ کو سنوار لیں گے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

سماٹرا میں احمدیت

(از محترم مولٰنا محمد صادق صاحب فاضل مبلغ سماٹرا)

بشارتِ الٰہی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا تھا، یاتون من کل فج عمیق ویاتیک من کل فج عمیق کہ لوگ دُور دُور سے تیرے پاس آئیں گے۔

جب یہ الہام ہوا تھا اُس وقت بلکہ اِس کے شائع ہونے کے بعد ایک مدت تک کسی کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالےٰ نوازے گا، اور آپکو اِس قدر شہرت حاصل ہوگی کہ دُنیا کا کوئی مُلک آپ کے عُشاق سے خالی نہ رہے گا۔ اور دُور دُور سے پروانہ وار لوگ آپ کی زیارت کے لئے قادیان کی گمنام بستی میں جمع ہُوا کریں گے۔

وہ گمنامی کا زمانہ گذرا، آپ کا ذکر خدا تعالےٰ کے فضل سے بلند ہونا شروع ہُوا۔ آپ کی اور آپ کی معمولی بستی کی اکنافِ عالم تک شہرت ہوئی۔ اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ لوگ پروانہ وار آپ کی طرف دوڑے آرہے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق ایک زمانہ آنے والا ہے، بادشاہ بھی آپ کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے، جیسا کہ ایک دوسرے الہام میں اِس کی بشارت حضورؑ کو دی گئی تھی۔

سماٹرا سے طلبہ جہاں تک مجھے یاد ہے، پہلے پہل ۱۹۲۲ء میں سماٹرا سے بعض طالب علم قادیان کی شہرتِ علمی کا ذکر سُن کر یہاں آئے۔ اُن میں سے مولوی ابوبکر صاحب، مولوی زینی دحلان صاحب اور مولوی احمد نور الدین صاحب خاص طور پر

قابلِ ذکر ہیں۔ یہ تینوں دوست بڑے سعید الفطرت واقع ہوئے تھے۔ اور انکی سعادت ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ تھوڑے ہی عرصہ میں احمدیت میں داخل ہونے سے متشرف ہوئے۔ اس کے بعد ان کی مساعی سے کئی اور سماٹری اور جاوی طلبہ بھی یہاں پہنچ گئے۔ اور ایک وقت وہ بھی آیا جب ۲۵-۲۶ طلبہ بیک وقت یہاں موجود تھے۔

جب یہ لوگ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لا چکے تو انہوں نے چاہا کہ اس نور سے اپنے رشتہ داروں اور اہلِ وطن کو بھی مستفید و مستفیض کریں چنانچہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں سے خط و کتابت شروع کی، اور احمدیت کے متعلق بہت لمبے لمبے خطوط لکھے۔ جس کے نتیجہ میں بعض لوگ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اسی عرصہ میں ایمان لے آئے اور بعض اس کے لئے مستعد ہو گئے اور بعض نے مخالفت کا رنگ اختیار کیا، اور بحث شروع کر دی۔

سماٹرا مشن کا قیام

ان حالات نے ہمارے طلبہ کو تبلیغ کی طرف اور بھی متوجہ کر دیا۔ اور اپنی مساعی کے علاوہ انہوں نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور از راہِ نوازش سماٹرا اور جاوا میں تبلیغ کی طرف خاص توجہ فرمائیں اور جلد از جلد کسی مبلغ کو وہاں بھجوائیں۔ اس اخلاص اور محبت سے پُر درخواست کو شرفِ قبول حاصل ہوا۔ اور حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جزائر شرق الہند کے لئے مولانا رحمت علی صاحب فاضل کو پہلا مبلغ احمدیت مقرر فرمایا۔

خدا تعالےٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کی فراست کی برکت سے یہ انتخاب اتنا اعلیٰ ثابت ہوا کہ آج اس کے نتیجہ میں ہزاروں عاشقانِ احمدیت ان علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس مشن کے لئے سب سے پہلی جگہ تاپا توان (Tapa-Tuan) تجویز فرمائی۔ مولانا صاحب ماہِ اگست ۱۹۲۵ء میں قادیان سے روانہ ہو کر ستمبر ۱۹۲۵ء میں وہاں پہنچے۔ ہمارے طلبہ کے رشتہ داروں نے آپ کا

پُرتپاک استقبال کیا۔ اور نہایت محبت اور پیار سے آپ کی باتوں کو سنا۔ گو بعض علماء نے مخالفت بھی کی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل، اُن لوگوں کی سعادت، اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیش کردہ نور کی برکت سے چھ سات ماہ کے اندر ہی ایک سو سے زائد افراد احمدیت میں داخل ہو گئے۔

پاڈنگ میں احمدیت

فروری ۱۹۳۶ء کے آخر میں مولانا صاحب پاڈنگ روانہ ہوئے مولوی عبد الواحد صاحب سماٹری (جو اُس وقت قادیان میں تھے اور اب جاوا میں مبلغ ہیں) کے دو رشتہ دار آپ کے ساتھ ہو لئے۔ وہاں پہنچتے ہی ہمارے ایک سماٹری طالب علم کے نانا داؤد سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اور انہی کے گھر میں انکا قیام ہوا۔

پاڈنگ کا شہر پچاس ساٹھ ہزار کی آبادی پر مشتمل اور سماٹرا کے عین وسط میں مغربی ساحل پر واقع اور تجارت کا مرکز ہے۔ اگر مغربی ساحل سے سنگاپور کو جانا ہو تو پاڈنگ سے پاکن بارو تک جو مشرقی ساحل پر واقع ہے ایک چھوٹا اور سیدھا راستہ ہے۔ پاکن بارو سے اتر کر کشتیوں کے ذریعہ چھوٹے چھوٹے جزائر سے ہوتے ہوئے سماٹرا اور سنگاپور کے درمیانی سمندری راستہ کو طے کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ شہر ایک خاص تجارتی اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں کے اصلی باشندے قریباً سو فیصدی مسلمان ہیں۔ اور عیسائی یا تو باہر سے آئے ہیں یا چینی یا دوسری اقوام کے ہیں جو عیسائیت کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ البتہ مسلمانوں کی بدقسمتی سے احمدیت کے پہنچنے سے قبل بعض لوگوں نے عیسائیت سے تعلق پیدا کر لیا تھا۔

مولانا رحمت علی صاحب کے پہنچنے پر عوام اور علماء کے طبقہ میں ایک شور برپا ہو گیا۔ رات دن تبلیغ ہوئی۔ اور سال دو سال کے اندر ایک خاصی بڑی جماعت وہاں اور پاڈنگ کے ارد گرد کے دو گاؤں میں جماعتیں قائم ہو گئیں۔ جو سینکڑوں افراد پر مشتمل تھیں۔

مسلمانوں میں تبلیغ کے علاوہ احمدیت نے وہاں عیسائیت کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم

کیا۔ اور عیسائی پادریوں سے متعدد مذاکرات اور مباحثات کئے۔

غیر احمدی علماء کے دم ٹوٹ چکے تھے مگر پاڈنگ میں عیسائیت کا حربہ احمدیت کے مقابل پر کمزور بلکہ کند ثابت ہؤا۔ آخر اکتوبر ۱۹۲۹ء میں مولنا رحمت علی صاحب بخیر و عافیت قادیان واپس تشریف لائے۔

میری روانگی

۱۹۳۰ء میں جبکہ میں ابھی مبلغین کلاس جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، مجھے سماٹرا کے لئے منتخب کیا گیا۔ اور مولنا رحمت علی صاحب کو جاوا میں تبلیغ کے لئے بھیجا گیا۔ میں مولنا رحمت علی صاحب کے ساتھ ۶ نومبر ۱۹۳۰ء بروز جمعرات دارالامان سے سماٹرا کو روانہ ہوا۔ اور ہم ۲ دسمبر ۱۹۳۰ء کو منزل مقصود یعنی پاڈنگ پہنچے۔ مولنا رحمت علی صاحب کچھ عرصہ میرے ساتھ سماٹرا رہے، اور پھر ماہ اپریل ۱۹۳۱ء میں جاوا روانہ ہو گئے۔

اخبار اسلام کا اجراء عیسائیت پر حملہ

مکرم مولوی صاحب کے زمانہ میں پہلے تو ایک چھوٹا سا ماہوار رسالہ "اقبال الحق" نامی شائع ہؤا۔ اس کے بعد پھر ایک ٹریکٹ کا انتظام ہؤا، جو ماہوار شائع ہؤا کرتا تھا۔ ان رسالہ جات اور ٹریکٹوں میں زیادہ تر غیر احمدیوں کے ساتھ اختلافی مسائل پر بحث ہوتی تھی۔ اس کے بعد میں نے پاڈنگ سے ایک پندرہ روزہ اخبار اسلام (Islam.) نامی جاری کیا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی احمد نور الدین صاحب سماٹری مقرر کئے گئے۔ اور اہتمام کیا گیا کہ عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات کے علاوہ عیسائیت پر بڑے زور سے حملہ کیا جائے۔ اور اس کے مقابلہ میں اسلام کی خوبیوں کو واضح کیا جائے۔ اسلام کی خوبیوں کی وضاحت کے لئے اس میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مشہور تصنیف اسلامی اصول کی فلاسفی کا ترجمہ شائع کیا جاتا، اور عیسائیوں کے مشہور رسالہ Pertan daan Kaman کے اعتراضات کے جواب دیئے جاتے۔ اور عیسائیت کے خلاف مختلف مضامین سیدنا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کی روشنی میں شائع کئے جاتے رہے۔ اسکے دو نتیجے نکلے۔ اوّل کئی غیر احمدی ہمارے اخبار کے خریدار بن گئے۔ اور اخبار کی اشاعت بڑھ گئی۔ دوم عیسائی طبقہ کے عام اخبارات احمدیت کے مقابل آکھڑے ہوئے اور دونوں کا کھلم کھلا مقابلہ شروع ہو گیا۔

اس اخباری مقابلہ کے علاوہ عام خط وکتابت کے ذریعہ بھی پادریوں سے بحث ہوتی رہی جس میں بعض دفعہ بیس بیس صفحات ٹائپ شدہ مضامین کے ایک دوسرے کو بھیجے جاتے رہے۔ اور مختلف مسائل زیر بحث آتے۔

علاوہ ازیں میں نے دو کتابیں بھی لکھیں۔ ایک کا نام "بائیبل کا یسوع" رکھا۔ اس میں پانچ فصلیں ہیں۔ (۱) یسوع کی سوانح (۲) ابن اللہ کے معنی (۳) معجزات یسوع (۴) کیا مسیح صلیب پر فوت ہوئے؟ (کفارہ)۔ (۵) آمد مسیح ثانی۔

اس کتاب کو میں نے حضرت استاذی المکرم سید محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ کے نام پر معنون کیا۔ کیونکہ میں نے سب سے پہلے انجیل کی تعلیم آپؓ سے ہی شروع کی تھی۔ یہ کتاب قریباً ایک سو صفحات کی تھی۔ اس کے تین سو نسخے مفت اور باقی برائے نام قیمت پر فروخت کئے گئے۔ اس کی اشاعت پر بعض غیر احمدی علماء نے مجھے مبارکباد اور خوشنودی کے خطوط لکھے۔ اور عیسائیت کے ایک بڑے آرگن Batandaan Ham:en نے لکھا کہ ہم اس کا جواب دینا پسند نہیں کرتے، کیونکہ اس میں عیسائیت پر سخت نکتہ چینی کی گئی ہے۔ مسلمانوں پر اس کا بہت عمدہ اثر ہوا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے صرف یہ کتاب پڑھ کر احمدیت کو قبول کیا۔ الحمد للہ

دوسری کتاب زیر عنوان "محمد صلی اللہ علیہ وسلم ازروئے بائیبل" لکھی۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر کئی دلائل بائیبل سے پیش کئے گئے۔ نیز جہاد، تعدد ازدواج اور غلامی وغیرہ مسائل پر مفصل بحث کی گئی۔ اور اسلام اور سیدنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر

عیسائیوں کے اعتراضات کے جواب دیئے گئے۔

زبانی مباحثات عیسائیوں کے ساتھ تحریری مقابلہ کے علاوہ تقریری بحث اور گفتگوئیں بھی بڑے زور سے ہوتی رہیں۔ ۱۹۲۳ء کے آخر میں ایک پادری سے مباحثہ قرار پایا جو تین روز تک جاری رہا۔ اس میں "الوہیت مسیح" کا مسئلہ خاص طور پر زیر بحث آیا۔ خدا تعالےٰ نے اس قدر کامیابی عطا فرمائی کہ تیسرے دن سب مجمع کے سامنے پادری نے علی الاعلان کہا کہ :-

"محمد صادق جھوٹوں کا استعمال کرتا ہے۔"

۱۹۳۴ء کے وسط میں جبکہ میں میدان شہر میں تھا، ایک روز میں دو غیر احمدی دوستوں کے ساتھ گرجا میں گیا۔ یہ ایڈ وینٹسٹ کا گرجا تھا۔ اتفاقاً اس میں میرا ایک واقفکار پادری لیکچر دے رہا تھا۔ دوران تقریر میں اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بہت سے نازیبا حملے کئے۔ اور تعددِ ازواج کو حرام قرار دیکر کہنے لگا کہ نبی کبھی بھی ایک سے زیادہ بیویاں نہیں کر سکتا۔ لیکچر کے خاتمہ پر میں نے سوال پیش کرنے کے لئے اجازت چاہی۔ مجھے اجازت دی گئی۔ اس پر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

خاکسار۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایک سے زیادہ بیویاں کیں یا نہیں ؟

پادری۔ ہاں کیں۔ مگر وہ نبی نہ تھا۔

خاکسار۔ ان کا مرتبہ کیا تھا ؟

پادری۔ قوموں کا باپ۔

خاکسار۔ وہ نبی بھی ہیں ؟

پادری۔ بائیبل اسے ہرگز نبی قرار نہیں دیتی۔ یہ آپ کا افترا ہے۔

خاکسار۔ میں بائیبل سے ثابت کروں گا کہ وہ نبی ہیں۔ پھر کیا آپ تسلیم کریں گے کہ نبی کیلئے تعددِ ازدواج حرام نہیں ؟

پادری۔ ہاں۔ مگر آپ ہرگز ثابت نہ کرسکیں گے کہ وہ نبی ہے۔
خاکسار۔ کیا حضرت داؤدؑ نے ایک سے زیادہ بیویاں کیں ؟
پادری۔ ہاں۔
خاکسار۔ کیا وہ نبی نہ تھے ؟
پادری۔ نہیں۔
خاکسار۔ وہ نبی تھے۔
پادری۔ یہ افترا ہے۔ بائیبل اسے "بادشاہ" کہتی ہے نہ کہ نبی۔
خاکسار۔ میں بائیبل سے یہ ثابت کردوں گا کہ داؤدؑ نبی ہیں۔
پادری۔ آپ ہرگز ایسا نہیں کرسکتے۔

اس کے بعد میں حاضرین کی طرف متوجہ ہوا ، اور کہا کہ میں ابھی ثابت کردوں گا کہ ابراہیمؑ اور داؤدؑ نبی ہیں۔ پھر کیا آپ مان لیں گے کہ نبی کے لئے تعدد ازدواج پر عمل کرنا حرام نہیں حاضرین پر سناٹا چھا گیا۔ پھر اُن میں سے بعض بولے کہ اگر ان دونوں کو بائیبل نبی قرار دیتی ہے، تو ہم مجبور ہوں گے کہ تعدد ازدواج کو نبی کے لئے جائز مانیں۔ میں نے جھٹ بائیبل سے وہ حوالے نکال کر پیش کر دیئے جن میں حضرت ابراہیم اور داؤد علیہما السلام کو خدا کے نبی قرار دیا گیا ہے۔ پادری صاحب کا مُنہ فق ہوگیا۔ گرجا میں حاضرین دو پارٹیوں میں بٹ گئے بعض پادری کے حامی اور بعض پادری کے خلاف تھے۔ بڑا شور ہوا۔ ایک دوسرے پادری نے مجھے کہا' مولوی صاحب! دیکھئے آپ کی وجہ سے ہمارے گرجے کا کیا حال ہو رہا ہے۔ میں نے جواب دیا میری وجہ سے نہیں، بلکہ آپکے پادری صاحب کے غلط عقائد اور غلط بیانات کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔ میں نے تو بائیبل کے حوالجات آپ کے سامنے پیش کئے ہیں۔ پادری کی اس شکست کو دیکھ کر بعض لوگ عیسائیت سے بھاگ گئے۔ اُن میں سے ایک آدمی جس کا نام Boorkhaman تھا اور وہ دو غیر احمدی دوست جو میرے ساتھ گئے تھے' احمدی ہوگئے۔ الحمد للہ

ان کے علاوہ عیسائیوں سے اور بھی کئی مباحثات ہوئے لیکن یہاں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اب بفضلہٖ تعالےٰ احمدیت کا عیسائیت پر اتنا رُعب ہے کہ عیسائی پادری احمدی علماء یا احمدی مبلغین کا نام سُنتے ہی گھبرا جاتے ہیں۔

غیر احمدی علماء

غیر احمدی علماء نے جہاں تک ان سے ہو سکا احمدیت کے خلاف زور لگایا۔ مگر آخر حق کو غلبہ ہؤا۔ اور آج ان میں سے کبھی کوئی احمدیت کے مقابل پر آنے کی جُرأت نہیں رکھتا۔ میرے زمانہ میں صرف تین دفعہ ۱۹۳۳ء میں میدان کے علاقہ میں غیر احمدی علماء سے چند مناظرے ہوئے۔ ان مناظرات میں کئی کئی ہزار کی حاضری ہوتی تھی۔ ان کے نتیجہ میں سعید الفطرت لوگ احمدیت کی طرف مائل ہو گئے اور انہوں نے اور خود علماء نے دلائل احمدیت کا سکہ مان لیا۔

غیر احمدیوں کے بالمقابل مولوی رحمت علی صاحب کے زمانہ میں ایک کتاب "اظہار الحق" شائع ہوئی۔ اس کا بہت اچھا اثر ہؤا۔ اور اِس لحاظ سے کہ وہ احمدیت کی طرف سے غیر احمدی علماء کے مقابل پر پہلی کتاب ہے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

اِسی سلسلہ میں مَیں نے ایک کتاب "الحق القویم" تصنیف کی۔ جس میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام کی تحریروں پر اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ پھر ایک اور کتاب "دلائل النبوة" لکھی جس میں نبوت کے قریباً تمام پہلوؤں پر مختصر بحث کی گئی ہے۔ مثلاً پہلے حصہ میں نبی کی تعریف، کیا نبی کا صاحب شریعت ہونا ضروری ہے؟ امکانِ نبوتِ غیر تشریعی بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ عنوانات پر اور دوسرے حصہ میں آمدِ مسیح و مہدی از احادیث، مسیح و مہدی ایک ہی شخص کے دو خطاب ہیں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مسیح و مہدی کیوں کہا گیا بلفظ مہدی کی احادیث پر مفصل بحث ہے۔

ملائی زبان میں ترجمۂ قرآن مجید

اِس کے علاوہ مَیں نے ایک اور مبارک کام بھی شروع کیا ہے۔ اور وہ ترجمۂ قرآن کریم

بزبان ملایا ہے۔ اِس زبان میں جتنے تراجم آجتک میری نظر سے گذرے ہیں ان میں بہت سی غلطیاں ہیں۔ ایک دفعہ میں قرآن کریم کا ایک ملائی ترجمہ پڑھ رہا تھا، تو اس کی غلطیاں دیکھکر میرے دل میں یہ تحریک ہوئی کہ قرآن کریم کا ملائی زبان میں صحیح ترجمہ کروں۔ سو میں نے اسے ہی ترجمہ کا کام شروع کر دیا۔ یہ ترجمہ سات پاروں تک مکمل ہو چکا ہے۔

جاپانی حکومت کا زمانہ

آخر فروری ۱۹۴۲ء میں جاپان نے سارے انڈونیشیا (جاوا، سماٹرا، بورنیو، مابی اور سلیبس وغیرہ جزائر) پر پورا قبضہ کر لیا۔ اور ہم انتظار میں تھے، کہ اس۔ کے ایشیا کی آزادی کے دعوے کب عمل میں آتے ہیں۔ شروع میں تو اس نے قدرے نرمی برتی۔ مگر آہستہ آہستہ سختی شروع کی۔ اور آخر اس قدر سختی کی کہ انڈونیشین چلا اُٹھے۔ اور کہنے لگے کہ کیا ڈچ کا ساڑھے تین صدی کا ظلم زیادہ تھا یا جاپان کے ساڑھے تین سال کا؟

فوجی مقدمات کی کوئی تحقیق نہ ہوتی، مردوں کو بے عزت کیا جاتا رہا، عورتوں کی عصمت دری حد سے زیادہ ہوئی۔ جبراً عورتوں کو پکڑ پکڑ کر زنا خانوں میں ڈالا گیا، مساجد میں فوجیوں کو رکھا گیا، اور ان میں خنزیر کاٹے گئے۔ اناج پر ایسا قبضہ کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ جاپانی کارندے خود کھیت میں جا کر دھان کاٹتے۔ اور کسان دیکھتے رہ جاتے۔ راشن کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ کوئی معمولی بات بھی مُنہ سے نکالتا، تو باغی سمجھکر مار ڈالا جاتا۔ دھوکا بازی چھوٹے سے لیکر بڑے جاپانی تک کا شیوہ تھا۔ رعیت کو حکم تھا کہ صبح ساڑھے سات بجے ٹوکیو کی طرف رکوع کریں۔

یہ تو افراد کا حال تھا۔ انجمنوں سے اس نے یہ سلوک کیا، کہ دو تین ماہ کے اندر اندر سب پولیٹیکل اور مذہبی انجمنوں کو موقوف کر دیا۔ اور پھر مختلف انجمنوں کا ایک جلسہ بُلایا۔ ہمارے دو نمائندے بھی مدعو تھے۔ ہم نے حتی الوسع کوشش کی کہ ہماری جماعت کو نہ چھیڑا جائے۔ کیونکہ یہ خالص مذہبی جماعت ہے۔ مگر جاپانی نمائندوں نے ہماری ایک نہ مانی۔ آخر اس

افسر نے جو مذہبی جماعتوں کی بابت تحقیق کر رہا تھا مجھے کہا کہ بانیٔ سلسلہ کے کلام سے حکومت کے متعلق نظریہ پیش کرو۔ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ تحریریں جن میں لکھا ہے کہ ہر احمدی کو حکومتِ وقت کی اطاعت کرنا لازمی ہے، پیش کر دیں۔ اُس نے یہ تحریریں پڑھ کر کہا کہ ان میں یہ تو نہیں لکھا کہ جاپان کی اطاعت ضروری ہے۔ ان تحریروں کے مطابق تو اگر انگریز یا امریکہ کی یہاں حکومت ہو تو آپ لوگ اُن کی بھی اطاعت کریں گے۔ ہم نے کہا کہ اگر انگریز اور امریکہ یہاں حکومت کرے تو جاپانی کہاں جائیں گے؟ اُس نے کہا۔ اگر ہم شکست کھا جائیں اور انگریز و امریکہ یہاں حکومت کریں تو آپ کس کی اطاعت کریں گے؟ ہم نے کہا، اگر جاپان شکست کھا جائے، تو ہم مجبوراً انگریز و امریکہ کے ماتحت ہو جائیں گے۔ اُس نے کہا، کیا آپ عہد کرتے ہیں کہ جاپان کے ساتھ جئیں گے اور اسی کے ساتھ مریں گے۔ ہم نے کہا، ہمیں حکم ہے کہ حکومتِ وقت کی اطاعت کریں۔ اور ضرورت کے وقت اس کی مدد کریں۔ مگر ہمارے مذہب میں خودکشی جو جاپانیوں کے لئے ضروری ہے، حرام ہے۔ نیز ہمارا مرنا اور جینا خدا کے لئے ہے، اور اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔

یہ ساری بات چیت ختم ہوئی، تو آخر اُس نے کہا کہ آپ کو تبلیغ کی اجازت نہیں کیونکہ آپ کی تبلیغ سے لوگوں میں جوش اور شور پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ اپنے سارے عہدیداروں کو موقوف کر دیں۔ البتہ عبادت سے ہم آپ کو نہیں روکتے۔

علماء کا فتنہ اور اس کا انجام

اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی کتب کے وہ اقتباسات جن میں انگریزی حکومت کی تعریف درج تھی علماء نے حکومت کے پاس پہنچائے۔ اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ ہم انگریزوں کے ہمدرد بلکہ جاسوس ہیں۔ اس سلسلہ میں مجھے قریباً تیس ۳۰ مرتبہ دفتروں میں بلایا گیا۔ اور مختلف قسم کے سوالات پیش کر کے جوابات طلب کئے گئے۔ مَیں نے حتی الوسع زبانی طور پر ان سب امور کو واضح کیا۔ اور احتیاطاً وہ لمبے لمبے مضامین لکھ کر بھی اس غلط فہمی کے ازالہ کی کوشش

کی ۔ آخری دفعہ مز tijo Heimoeleoe نے مجھے بلا کر ایک ترجمان کے ذریعہ کہا ہم نے آپ کے متعلق فیصلہ کر لیا ہے ۔ آپ کو عہدیداران جماعت کے انتخاب کی اجازت نہیں اور نہ تبلیغ کرنے کی اجازت ہے ۔ تمہارے نبی نے فرمایا ہے حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ اس لئے تم مذہب کو چھوڑ دو اور وطن کی خدمت کرو ۔ مَیں نے کہا ، ہم مُلک کی خدمت میں بھی حصہ لے رہے ہیں مگر مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے ۔ اگر ہم مذہب کو چھوڑ دیں تو ہم مُلک کی خدمت بھی نہ کریں ۔ کیونکہ مذہب کے مذکورہ بالا ارشاد ہی کی وجہ سے ہم مذ[illegible] اخذ کرتے ہیں ۔ یہ سُن کر وہ کہنے لگا ۔ تم بحث کرتے ہو ۔ اِس پر مَیں خاموش ہو گیا ۔ بہرحال جب مجھے تبلیغ سے منع کیا گیا ۔ تو مَیں نے احمدی دوستوں کو کہا کہ آپ ہی انفرادی تبلیغ پر زور دیکر اِس کمی کو پُورا کریں ۔

حکومتِ جاپان کو خط

اسکے علاوہ مَیں نے حکومتِ جاپان کو ایک خط لکھا جس میں راعی اور رعایا کے حقوق و فرائض پر روشنی ڈالنے کے علاوہ احمدیت کی غرض وغایت پر مفصل بحث کی گئی ۔ نیز اس میں ان اصول پر بھی روشنی ڈالی گئی جن پر چل کر سارے مذ[ہب کے] پیرو ایک مُلک میں صلح و آشتی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں ۔ اور اس کے ساتھ ہی حکومت پر واضح کیا گیا کہ اصول پر قائم اور حکومت کی حقیقی خیرخواہ صرف جماعت احمدیہ ہے ۔ سو ہماری مخلصانہ درخواست ہے کہ کسی کے مذہب میں کسی قسم کی مداخلت حکومت کی طرف سے نہ ہو ۔

ایک اور خاص امر کی طرف بھی حکومت کو توجہ دلائی گئی ! اور وہ یہ کہ جنوب مشرقی ایشیا کی جنگ جس کا بیڑا جاپان نے اُٹھایا ہے جہاد فی سبیل اللہ نہیں ۔ حکومت جاپان کا فرض ہے کہ وہ اِس جنگ کو مذہبی جامہ نہ پہنائے ! اور وہ علماء جو حکومت کی چاپلوسی کے باعث ناحق اسے جہاد فی سبیل اللہ کہہ رہے ہیں انہیں ایسا کرنے سے منع کر دے ۔ کیونکہ آپ لوگ مسلمان نہیں ہیں ! اور جہاد فی سبیل اللہ کی علمبردار صرف مسلمان قوم ہی ہو سکتی ہے ۔

یہ آواز نہ اور صرف احمدیت نے حکومت جاپان تک پہنچائی اور نہ عام علماء تو اِس جنگ کو

جہاد فی سبیل اللہ ہی کہتے تھے۔ اور بعض جو اُن کے مخالف تھے حکومت سے خائف ہو کر چپ سادھے ہوئے تھے۔ چونکہ یہ ایک مذہبی مسئلہ تھا اس لئے میں نے جہاں بھی موقع ملا گاڑی میں، موٹر میں، بازار میں، مسجد میں، غرض ہر جگہ اس کی اشاعت کی۔

مندرجہ بالا خط حکومت کو پیش کرنے کیلئے ایک وفد گیا۔ جس میں میرے علاوہ دو اور احمدی دوست بھی تھے۔ اس خط میں چونکہ بہت کھُلی کھُلی باتیں لکھی گئی تھیں اس لئے جاپانی حکومت سخت برافروختہ ہوگئی، اور بالآخر اُس نے میرے لئے سزائے موت کا حکم صادر کر دیا۔

اس دوران میں جہاں تک حالات اجازت دیتے تھے تبلیغ جاری رہی۔ اور باوجود ہر قسم کی مشکلات کے چار سال کے عرصہ میں ایک سو کے قریب افراد داخل احمدیت ہوئے۔ الحمدللہ۔

میری سزائے موت اور کرشمۂ قدرتِ الٰہی۔

خلاصہ یہ کہ معمولی رفتار سے کام جاری رہا۔ حتّٰی کہ جنوب مشرقی ایشیا کی جنگ کے ختم ہونے میں چند ماہ باقی رہ گئے۔ ایک روز ایک شخص ہمارے ایک احمدی دوست کے پاس آیا، اور کہا کہ مولوی محمد صادق کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ جس وقت اتحادی فوجیں سماٹرا یا جاوا کے کسی حصہ میں چڑھ آئینگی اُسی وقت اُنہیں گرفتار کر لیا جائیگا۔ مجھے ایک اور ذریعہ سے بھی یہ خبر مل گئی کہ میرے متعلق ایک سخت سزا کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

یہ خبر سُنتے ہی میں نے جماعت کو تحریک کی کہ وہ بیس دن متواتر تہجد کی نماز ادا کریں اور ہر سوموار اور جمعرات کو روزے رکھیں۔ اور جو خوابیں یا نظارے دیکھیں وہ مجھے آکر بتائیں۔ جب تیسری رات تہجد کی نماز پڑھ کر صبح سے قبل میں تھوڑی دیر کیلئے لیٹ گیا۔ تو مجھے خواب میں بڑے موٹے حروف میں لکھا ہوا دکھائی دیا۔ کہ کتاب دانیال فصل پانچ پڑھو۔ اس خواب کا مجھ پر اس قدر اثر تھا کہ میخ کی طرح میرے دل میں گڑ گئی، اور مجھے ایسی راحت اور خوشی محسوس ہوئی جس کا ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ فجر کی نماز کے بعد میں نے دوستوں کو یہ خواب سُنا دیا۔ مگر سارا دن کام کی وجہ سے اس فصل کے پڑھنے کا موقع نہ ملا۔ مغرب کی نماز پڑھ کر پھر میں نے بائیبل کے مذکورہ حوالہ کو پڑھا جس میں

بلشزر نبی بخت نصر کے متعلق ذکر ہے۔ اور آخر میں لکھا ہے کہ خدا نے اسے ایک خواب دکھایا جس کے متعلق دانیال نبی نے خدا سے پوچھا اور اس کی تعبیر بیان کی۔ اس خواب کے الفاظ یہ ہیں کہ بلشزر کی حکومت کا خاتمہ قریب آپہنچا ہے۔ خدا نے اسے تولا، وہ ہلکی نکلی۔ اب اسے مٹا کر فارسی حکومت کو اس کی جگہ قائم کر دیا جائے گا۔

مَیں نے یہ خواب بعض ہندو اور سکھ دوستوں کے سامنے بھی بیان کیا۔ اور بعض چیدہ چیدہ احمدی دوستوں کو بھی بتا دیا۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے حالات کو ایسا پلٹا دیا کہ چند ماہ میں ہی حکومت جاپان تباہ ہوگئی۔ دراصل جاپانی حکومت نے ۱۴ اگست ۱۹۴۵ء ہی کو شکست مان لی تھی۔ مگر اس نے سماٹرا اور جاوا میں ۲۲ اگست کو یہ شائع کیا کہ ہمارے بادشاہ نے رعایا پر شفقت کی نظر کرتے ہوئے انگریز اور امریکہ سے صلح کر لی ہے۔

جس دن یہ پمفلٹ شائع ہوا اُسی دن مَیں سردار جوگندر سنگھ صاحب ہری برادرز پاڈنگ کی دکان پر گیا۔ وہاں ایک عالم حسن فواد بھی تھے۔ انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "مبارک ہو" مَیں نے کہا "خیر مبارک" مگر بتایئے تو سہی کہ یہ مبارک باد کیسی؟ انہوں نے کہا۔ آپ کے متعلق فیصلہ ہو چکا تھا۔ کہ آپکو ۲۳ یا ۲۴ اگست ۱۹۴۵ء کی رات کو سزائے موت دی جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپکو بچا لیا۔ کیونکہ بلیک لسٹ میں آپکا نام بھی درج ہے۔ پھر دوسرے غیر احمدیوں نے بھی ہمارے بعض دوستوں کو خود بخود بتایا کہ میرے متعلق سزائے موت کا فیصلہ اس لئے کیا گیا تھا کہ مَیں جاپانی جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ نہ مانتا تھا۔ بلکہ اس کے خلاف تبلیغ کرتا تھا۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایک کرشمہ ظاہر فرمایا۔

احمدیت کی ترقی

مکرم مولوی رحمت علی صاحب کے وقت سے تبلیغ کا راستہ بہت حد تک صاف ہو چکا تھا۔ اب تبلیغ کو زیادہ وسعت دینے کا کام تھا۔ جسے حتی الوسع پورا کرنیکی کوشش کی گئی۔ اور پہلی قائم شدہ جماعتوں کے علاوہ شہر میدان، تاپنگ تنگی، لاہت، لوبوک لنگو، تالنگ اور فورٹ ڈیکوک میں باقاعدہ

جماعتیں قائم ہوگئیں۔

یہ جماعتیں ہر لحاظ سے احمدیت کا اعلیٰ نمونہ اور اخلاص میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ مگر پاڈانگ کی جماعت کا درجہ بہرحال اوّل ہے۔ کیا بلحاظ تعداد افرادِ جماعت کے اور کیا بلحاظ علمی ترقی اور رسوخ کے۔

تالنگ کی جماعت میں ایک خصوصیت ہے جو کسی دوسری جماعت میں نہیں۔ اوّل اس جماعت میں تین چار عالم موجود ہیں۔ دوم پاڈنگ کے علاقہ میں ہر گاؤں پر پانچ افراد کا تسلط ہوتا ہے۔ نمبردار، قاضیٔ نکاح، خطیب جُمعہ، امام الصلوٰۃ اور فقیہہ جو فتوے دیتا ہے۔ جب ہماری تبلیغ اس گاؤں میں شروع ہوئی تو سخت مخالفت ہوئی۔ مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے تالنگ کے یہ پانچوں افراد احمدیت میں داخل ہوگئے۔ پھر نمبردار کے ماتحت اس گاؤں میں مع اردگرد کے چند دیہات کے ۲۹ چھوٹے نمبردار (penghulu) ہیں جن میں سے بارہ احمدی ہو چکے ہیں۔ یہ گو زمینداروں کی جماعت ہے، مگر اخلاص میں کسی سے کم نہیں۔ مالی حیثیت سے بھی اس کی حالت اچھی ہے۔ اس گاؤں میں پچاس ساٹھ مرد اور عورتیں احمدی ہیں۔ بچے اور بچیاں ان کے علاوہ ہیں

شکریہ اور دُعا

تبلیغِ احمدیت میں جن لوگوں نے خاص طور پر حصہ لیا، اور ابھی تک لے رہے ہیں، وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ ان میں سے خاص طور پر قابلِ ذکر مولوی ابوبکر صاحب فاضل، مولوی احمد نورالدین صاحب، مولوی محمد ایوب صاحب، مولوی زینی دحلان صاحب اور مولوی طاہر احمد صاحب ہیں۔ خدا تعالےٰ انہیں جزاءِ خیر دے اور انکی عمر اور علم اور اخلاص میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

جنگ کے زمانہ میں مجھے قادیان سے خرچ آنا بند ہو گیا تھا۔ اور شدید قحط سالی تھی حتیٰ کہ چاول تین ہزار روپے فی من کھانڈ ایک سو ساٹھ روپیہ فی من بکتی تھی۔ اور کپڑا اوّل تو ملتا ہی نہ تھا، اور اگر ملتا تھا تو بہت مہنگا یعنی کھدر دو تین سو روپے گز بکتا تھا میرا خرچ اہل و عیال کے ساتھ ہونے کی وجہ سے بہت بڑھ رہا تھا۔ کیونکہ ہم گھر کے نو دس افراد تھے۔ صرف خدا تعالیٰ کی ذات پر توکل تھا۔ محض اسی کی